جامعہ حقانیہ کا ترجمان

مجلہ الحقانیہ

ساہیوال
سرگودھا

جلد ۲ ذوالحجہ الحرام ۱۴۲۸ھ ○ دسمبر ۲۰۰۷ء شمارہ ۱۳



بانی فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہٗ

فہرست

۱۴۲۸ھ ۲۰۰۷ء

☆☆☆☆☆☆☆

خط و کتابت کیلئے: دفتر ماہنامہ الحقانیہ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

فون: 048-6786002/6786899 E-mail-alhaqqania@yahoo.com

پبلشر: مفتی سید عبدالقدوس ترمذی **پرنٹر**: جناب محمد منیر صاحب فائن پرنٹنگ پریس سرگودھا

کمپوزر: جناب حافظ سید عبدالغفور صاحب ترمذی

کلمۃ الحق

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قومی انتخابات اور ہماری ذمہ داریاں

اس وقت ملک میں صوبائی وقومی اسمبلی کی مدت ختم ہوچکی ہے اور صدر مملکت نے آئندہ سال ۲۰۰۸ء جنوری میں عام انتخاب کے انعقاد کا اعلان کردیا ہے، اس طرح ایک مرتبہ پھر پورا ملک انتخابی ہنگاموں کی لپیٹ میں ہے، ملک میں سرگرم بڑی سیاسی جماعتوں کے علاوہ اور بھی بہت سی نوزائدہ جماعتیں اس میدان میں تیزی سے بڑھ رہی ہیں، ہر ایک کی یہی خواہش ہے کہ وہ صرف کامیابی سے ہی ہمکنار نہ ہو بلکہ مستقبل کی حکومت کی باگ ڈور اور وزارت کا قلم دان بھی اسی کے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔

ادھر صورت حال یہ ہے کہ ملک میں موجود بڑی سیاسی جماعتیں ''مسلم لیگ ق'' ''ن'' اور ''پیپلز پارٹی'' کے سابقہ دور اقتدار کے پیش نظر عوام کی اکثریت ان سے مطمئن نہیں ہے بطور خاص مسلم لیگ کے دونوں دھڑوں میں باہمی اختلاف کی وجہ سے صورت حال اور بھی نازک بنتی جارہی ہے، مجلس عمل کے رویہ اور طرز عمل سے بھی ارباب علم ودانش نالاں ہیں، من جرب المجرب حلت به الندامة ایک مسلم حقیقت ہے، اسی لئے ان میں سے کسی جماعت پر بھی سو فیصد اعتماد اور ان سے جائز اور نیک مقاصد کے حصول کی امید خود فریبی معلوم ہوتی ہے۔ چھوٹی جماعتوں کی تعداد اگرچہ اچھی خاصی ہے لیکن ان میں ابھی باہم اتحاد کا فقدان اور نظریات کا شدید اختلاف ہے اس لئے ان کا برسر اقتدار آنا بظاہر ناممکن ہے، غرضیکہ اس عجیب وغریب صورت حال کی وجہ سے اچھی خاصی پریشانی اور بے چینی کی کیفیت پائی جاتی ہے اور ان حالات میں عوام وخواص کیلئے کسی بھی جماعت کی حمایت ومخالفت ایک چیلنج سے کم نہیں ہے۔

دراصل یہ ناگفتہ بہ حالات برطانوی طرز کی مروجہ جمہوریت کی پیروی کا نتیجہ ہیں جس کی بحالی کیلئے پاکستان میں بڑے زور وشور سے تحریکیں چلتی رہی ہیں، حالانکہ مغربی طرز کی اس جمہوریت کے جو نتائج ملک میں انتشار وافتراق، افراتفری اور گھر گھر جھگڑے اور فساد کی صورت میں ہمارے سامنے آرہے ہیں وہ اس قدر تکلیف دہ اور بدترین ہیں کہ شاید ہی دنیا کے کسی اور ملک میں جمہوریت کے اتنے بدترین نتائج ظاہر ہوئے ہوں، اور شاید ہی کسی اور ملک کو اس جمہوریت سے اتنا نقصان پہنچا ہوگا

جتنا نقصان پاکستان کو پہنچا ہے، واقعہ یہی ہے کہ مغربی جمہوریت نہ عقل کے مطابق ہے اور نہ ہی اسلامی طرزِ حکومت کے۔ عظیم دانشور، مفکر اور روشن خیال علامہ اقبال نے اس کے خلاف عقل ہونے کو یوں واضح کیا ہے۔

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اس سے دور رہنے اور "پیر دانا" کی پیروی پر زور دیتے ہوئے وہ فرماتے ہیں۔

گریز از طرزِ جمہوری اسیر پیر دانا شو کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید

مطلب واضح ہے کہ فکر انسانی کیلئے عقل کی ضرورت ہے اور بے عقلوں کے ذریعہ اگر چہ گنتی میں وہ بہت زیادہ ہوں فکر انسانی حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے بندوں کو گننے والی مغربی جمہوریت کے ذریعہ فکر انسانی اور عقل کی بات حاصل ہونے کی توقع نہیں کی جاسکتی، یہی وجہ ہے کہ ساٹھ سال کے طویل زمانہ گزرنے کے باوجود آج تک نہ تو پاکستان کے قیام کا مقصد "اسلامی نظام کا نفاذ" حاصل ہوا اور نہ ہی ملکی سالمیت اور استحکام کے اعتبار سے کوئی بہتر صورت پیدا ہوئی بلکہ ملک اپنی سالمیت اور استحکام کے اعتبار سے برسوں پیچھے چلا گیا، ملک کا بہت بڑا حصہ ٹوٹ کر اس سے جدا ہو گیا اور بنگلہ دیش بن گیا، اس کے علاوہ بھی ملک میں بہت سے ناگفتہ بہ حالات پیدا ہوئے جو اسی مغربی جمہوریت کا کرشمہ اور نتیجہ ہیں۔

دین اسلام جو حق تعالیٰ کا پسندیدہ دین اور زندگی گزارنے کا ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، عقائد وعبادات سے لے کر معاشی اور سیاسی تمام مسائل کا بہترین اور تجربہ شدہ حل اس میں موجود ہے، اسے مکمل طور پر اپنانے کی ضرورت ہے، مملکت خداداد پاکستان اسی لئے معرض وجود میں آئی تھی کہ یہاں اسلام کو مکمل طور پر نافذ کیا جائے گا، لیکن یاد رہے کہ یہ عظیم مقصد مغربی طرز کی جمہوریت سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی کیں راہ تو می روی بترکستان است

اس لئے ضرورت اسی کی ہے کہ اسلام کو اس ملک میں مکمل طور پر نافذ کیا جائے اور مروجہ خلاف عقل جمہوریت کو چھوڑ کر اسلام کے سیاسی نظام کو ملک میں رائج کیا جائے، اس طرح جتنی جمہوریت اسلام میں ہے نفاذ اسلام کے ساتھ وہ خود بخود حاصل ہو جائے گی، کسی دوسری جگہ سے اس کی بھیک مانگنے اور پیوندکاری کی ہمیں قطعاً ضرورت نہیں ہے، لیکن افسوس! کہ ایک طویل عرصہ سے مغربی جمہوریت کی

لعنت قوم پر مسلط ہے اور پوری قوم بری طرح اس میں جکڑی ہوئی ہے، اس لئے جب تک ملک میں اسلام کے سیاسی نظام کا نفاذ نہ ہو اس وقت تک مجبوراً با دل ناخواستہ مروجہ جمہوریت کا ہی سہارا لینا پڑتا ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مروجہ جمہوریت میں اصلاح کئے بغیر اس پر عمل کرنے سے اسلام کے احکام پر پورے طور پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔

مغربی جمہوریت میں امیدوار بننے اور ووٹ کے استعمال کا حق ۲۱ سال کے ہر بالغ مرد و عورت کو مساوی طور پر دیا گیا ہے اور عورت کو سربراہ مملکت بننے کی اجازت بھی دی جاتی ہے، اسی طرح اس میں فاسق و فاجر اور صالح، عالم و غیر عالم سب برابر ہیں جو کسی طرح قرین عقل و قیاس نہیں ہے۔

مغربی جمہوریت میں اصلاح کا سلسلہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ کے زمانہ سے ہی شروع ہو گیا تھا، چنانچہ آپ کی خصوصی کوشش سے سب سے پہلے اس میں جو بنیادی اصلاح کی گئی وہ یہ تھی کہ اقتدار اعلیٰ صرف رب العالمین کا ہے جبکہ مغربی جمہوریت میں اقتدار اعلیٰ عوام کا تسلیم کردہ ہے، اس بنیادی اصلاح سے اسلامی جمہوریت کو مغربی جمہوریت سے ممتاز کر دیا گیا، یہ بنیادی نکتہ پہلے قرارداد مقاصد اور پھر ۱۹۷۳ء کے آئین میں بھی تسلیم کرلیا گیا ہے۔ دستور کی حد تک دوسری اصلاح امیدوار اور ارکان اسمبلی کی شرائط اہلیت مقرر کر کے کر دی گئی ہے، ان شرائط کی پابندی سے بہت سی خرابیاں دور ہو سکتی ہیں، اگر خود ووٹرز کے اندر بھی شرائط اہلیت مقرر کر دی جائیں اور سختی سے ان پر عمل بھی کرایا جائے تو ملک میں پائی جانے والی مزید خرابیوں کا سدباب بھی ہو سکتا ہے۔

اب جبکہ انتخاب کا وقت قریب ہے اور ہر جماعت اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہے، ہر پارٹی اپنی کامیابی کیلئے ووٹروں کو اپنی طرف نہ صرف زبانی دعوت دے رہی ہے بلکہ اس کیلئے ہر طرح کی کوشش بھی کی جارہی ہے اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انتخابات میں امیدوار اور ووٹ کی شرعی حیثیت کو قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کر دیا جائے، اس سلسلہ میں چند گزارشات ووٹرز اور امیدواران دونوں کی خدمت میں پیش کی جارہی ہیں امید ہے کہ ان کو پیش نظر رکھا جائیگا۔

ممبری کا امیدوار گویا اس کا مدعی ہوتا ہے کہ وہ اس کام کی قابلیت اپنے اندر رکھتا ہے جس کا وہ امیدوار ہے، دوسرے یہ کہ وہ امانت و دیانت داری سے اس کام کو انجام دے گا۔ جس شخص میں اس کام کی صلاحیت ہی نہ ہو وہ اگر امیدوار ہو کر کھڑا ہوتا ہے تو ایسا شخص جھوٹا مدعی ہے اور ملک و ملت کی خرابی کا

سبب بننے کے ساتھ خیانت کا مجرم ہو کر عذابِ جہنم کا مستحق بن جاتا ہے۔ اب جو شخص بھی کسی مجلس کی ممبری کا خواہشمند ہو اگر اس کو کچھ بھی آخرت کی فکر ہے تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس ممبری کے بعد اس کے ساتھ جس قدر مخلوقِ خدا کا تعلق ہے ان سب کی ذمہ داری کا بوجھ اس کی گردن پر ہے اور وہ دنیا اور آخرت میں اس ذمہ داری کا مسئول اور جواب دہ ہے۔

کسی امیدوار ممبری کو ووٹ دینے کی حیثیت شہادت (گواہی) کی ہے کہ وہ ووٹر جس شخص کو اپنا ووٹ دے رہا ہے اس کے متعلق اس کی شہادت (گواہی) دے رہا ہے کہ یہ شخص اس کام کی قابلیت بھی رکھتا ہے اور دیانت وامانت سے بھی یہ شخص متصف ہے۔ اور اگر واقع میں یہ شخص اس کام کے قابل نہیں اور نہ اس میں دیانت وامانت کی صفت ہے تو اس کا ووٹ دینا جھوٹی شہادت ہے، جو سخت گناہِ کبیرہ ہے۔ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں جھوٹی شہادت (گواہی دینے) کو شرک کے گناہِ کبیرہ میں شمار کیا گیا ہے۔

جس حلقہ میں چند امیدوار کھڑے ہوں اب ووٹر کی شرعی ذمہ داری ہے کہ امیدوار کی قابلیت اور دیانت کو دیکھ کر اپنا ووٹ (شہادت وگواہی) استعمال کرے قابلیت اور دیانت کو چھوڑ کر غلط جگہ اپنا ووٹ استعمال کرنا خود کو جھوٹی شہادت کے سخت ترین گناہ میں مبتلا کرنا ہے۔ اس لئے ووٹ دینے والا اپنی آخرت اور انجام کو دیکھ کر ووٹ دے، محض رسمی مروت یا کسی طمع (لالچ) اور خوف یا برادریوں وغیرہ کے تعصب کی بنیاد پر گٹھ جوڑ اور اپنے ذاتی مفادات کی وجہ سے ووٹ دے کر اپنے آپ کو آخرت کے عذابِ عظیم کا مستحق نہ بنائے۔

ایک حیثیت ووٹ کی سفارش کی ہے کہ ووٹر اس کی نمائندگی کی سفارش کرتا ہے اور دوسروں کو آمادہ کرتا ہے کہ اس کو ووٹ دیں (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا (القرآن پ۵)

یعنی جو شخص اچھی سفارش کرتا ہے اس میں اس کو بھی حصہ ملتا ہے اور بری سفارش کرتا ہے تو اس کی برائی میں اس کا حصہ بھی لگتا ہے۔ اچھی سفارش یہی ہے کہ قابل اور دیانت دار آدمی کی سفارش کرے اور بری سفارش یہ ہے کہ نااہل فاسق وظالم کی سفارش کر کے اس کو خلقِ خدا پر مسلّط کرے۔

تیسری حیثیت ووٹ میں وکالت کی بھی ہے کہ ووٹ دینے والا امیدوار کو اپنا نمائندہ

اور وکیل بناتا ہے پھر چونکہ یہ وکالت شخصی حق میں نہیں بلکہ حقوقِ مشترکہ عامہ میں ہے۔اس لئے اگر کسی نا اہل کو نمائندگی کا ووٹ دے کر کامیاب بنایا تو حقوقِ عامہ کو پامال کرنے کا گناہ بھی اس کی گردن پر ہوگا۔خلاصہ یہ ہے کہ نا اہل بد دیانت شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری سفارش اور نا جائز وکالت بھی ہے، اور اس کے تباہ کن ثمرات اس کے نامۂ اعمال میں لکھے جائیں گے۔جس طرح نا اہل بد دیانت آدمی کو ووٹ دینا گناہِ عظیم ہے اسی طرح قابل اور نیک آدمی کو ووٹ دینا ثوابِ عظیم ہے۔

قرآنِ کریم نے سچی شہادت کو واجب و لازم قرار دیا ہے۔"كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ" دوسری جگہ ارشاد فرمایا" وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ "(ان) آیات میں (شہادت قائم کرنے اور گواہی دینے کا صاف طور پر) حکم ہے(اور ساتھ ہی اس کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے) کہ سچی شہادت چھپانا گناہ ہے(چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے)"وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ط وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ''ان تمام آیات میں مسلمانوں پر یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ سچی گواہی کو ضرور ادا کریں(اس سے جان نہ چرائیں) آج کل انتخابات میں جو خرابیاں پیش آرہی ہیں۔ان کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نیک اور دیندار حضرات عموماً ووٹ دینے ہی سے گریز کرنے لگے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ووٹ عموماً ایسے آتے ہیں جو چند ٹکوں میں خرید لئے جاتے ہیں، یا وہ برادریوں اور قومیتوں کے تعصبات کا شکار ہوتے ہیں۔اس لئے جس حلقہ میں کوئی بھی امیدوار صحیح معنٰی میں قابل اور دیانتدار معلوم ہوا ُسے ووٹ دینے سے گریز کرنا بھی شرعی جرم ہے۔

اگر کسی حلقہ میں کوئی بھی امیدوار صحیح معنٰی میں قابل اور دیانت دار نہ معلوم ہو مگر ان میں سے کوئی ایک صلاحیت کار اور دیانت کے لحاظ سے دوسرے کی نسبت سے بہتر ہو تو "مَنِ ابْتُلِيَ بِبَلِيَّتَيْنِ فَلْيَخْتَرْ اَهْوَنَهُمَا" (جو دو مصیبتوں میں مبتلا ہو اس کو چاہئے کہ اس کو اختیار کرے جو ان دونوں میں کم درجہ کی ہو) کے اصول پر اس کو ووٹ دے۔جیسا کہ فقہاء کرام نے نجاست کے پورے ازالہ پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تقلیلِ نجاست(کم ناپاکی) کو،اور پورے ظلم کو دفع کرنے کا اختیار نہ ہونے کی صورت میں تقلیلِ ظلم (کم ظلم) کو تجویز کیا ہے۔غرضیکہ انتخابات میں ووٹ کی شرعی حیثیت کم از کم ایک شہادت کی ہے اس میں جھوٹ بولنا حرام ہے اور اس پر کوئی معاوضہ لینا بھی حرام اور اس کو ایک سیاسی ہار جیت اور دنیا کا منافع کھیل سمجھنا بڑی بھاری غلطی ہے۔پیسوں اور ذاتی مفادات کے معاوضہ میں

ووٹ دینا بدترین رشوت اور سخت گناہ ہے ۔جو جماعت یا امیدوار نظامِ اسلام کے خلاف کوئی نظریہ رکھتا ہے اس کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت کا گناہ ہونے کے ساتھ اسلام اور ملک سے بغاوت بھی ہے۔

ضروری تنبیہ

اگر جماعتی انتخابات ہو رہے ہوں تو جماعتی منشور اور اس کے نظریات قابل لحاظ ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں ذاتی شخصی حالات کی زیادہ اہمیت پیشِ نظر نہیں رہتی جبکہ اس کا ظن غالب (غالب گمان) ہو یا قانونی پابندی لگادی گئی ہو کہ کامیاب ہونے کے بعد اپنی جماعت کے نظریات کے ساتھ وابستہ اور اس کی حمایت کرتا رہے گا۔البتہ اگر کوئی حلقہ ایسا ہو کہ اس میں اسلامی نظریات کی حامل جماعتوں کی طرف سے کوئی امیدوار کھڑا ہی نہیں کیا گیا یا ایسا نمائندہ کھڑا کردیا گیا جسے ووٹ نہیں دیا جاسکتا تو پھر آزاد امیدوار کی ذاتی صلاحیت و دیانت داری کے لحاظ سے (اس سے) یہ عہد لے کر کہ کامیابی کے بعد اسلامی نظریات کی حامل جماعت کی حمایت کرتا رہے گا اس کو ووٹ دیا جاسکتا ہے۔ تفصیل کیلئے حیات ترمذی ص ۳۴۳ تاص ۳۴۶ ملاحظہ فرمائیں۔

موجودہ سیاسی حالات چونکہ انتہائی عجیب وغریب ہیں اور ہر جماعت حق اور صواب کو اپنے اندر منحصر سمجھتی ہے اس لئے ہر ووٹر کی یہ شرعی و اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا صحیح استعمال کرے اور صرف ان نمائندوں اور اس جماعت کو ووٹ دیا جائے جو نظریۂ اسلام کی حامی ہونے کے ساتھ پاکستان کی سالمیت و بقاء پر بھی یقین رکھتی ہو،مسلمانوں کی خیر خواہ اور صحیح معنی میں ہمدرد ہو،اسلام اور دینی مدارس کے ساتھ مخلص ہو۔

اللہ تعالیٰ اس ملک کی حفاظت فرمائیں اور قوم کو صحیح فیصلہ کی توفیق دیں،نیز اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو ایسی صالح قیادت اور حکومت نصیب فرمادیں جو ملک اور قوم کے حق میں ہر لحاظ سے مفید اور نفاذ اسلام کیلئے دل و جان سے کوشاں ہو اللّٰھمّ ارنا الحق حقًّا وّارزقنا اتّباعہ وارنا الباطل باطلًا وّارزقنا اجتنابہ،امین۔

فقط

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

۱۵/ذوالقعدہ ۱۴۲۸ھ

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

درس قرآن کریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کفار کے ایمان نہ لانے کی وجہ

سابقہ آیت میں جن کفار کے متعلق لا یؤمنون فرمایا گیا ہے حق تعالیٰ نے دوسری آیت کریمہ ختم اللّٰہ علی قلوبھم میں اس کی وجہ بیان فرمادی ہے کہ ان کے دلوں اور ان کے سننے کی قوت پر حق تعالیٰ نے مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر بڑا پردہ ہے جس کی وجہ سے یہ حق تعالیٰ اور ایمان کو قبول نہیں کرسکتے، کیونکہ کسی چیز پر مہر اس لئے لگائی جاتی ہے کہ باہر سے کوئی چیز اس میں داخل نہ ہوسکے، کفار کے دلوں اور کانوں پر مہر لگانے کا یہی مطلب ہے کہ ان میں قبول حق کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

رہا یہ کہ جب حق تعالیٰ نے خود ہی مہر لگادی ہے تو پھر ان کا کیا قصور ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مہر لگانے کا سبب یہ خود ہی ہیں اس لئے ان کو عذاب دیا جائے گا، بندوں کے تمام افعال کے خالق چونکہ حق تعالیٰ ہی ہیں کما قال جلّ شانہ واللّٰہ خلقکم و ما تعملون، اس لئے خلق افعال کی نسبت اسی کی طرف کی جاتی ہے، یہاں مہر کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف اسی وجہ سے کی گئی ہے ورنہ اصل سبب اس کا وہ خود ہی ہیں۔ اس کی مختصر وضاحت یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے ہر شخص کو فطرت ایمانیہ پر پیدا فرمایا پھر اس کے ماں باپ اس کو کفر پر ڈال دیتے ہیں اور وہ اپنے ماحول اور معاشرہ کی وجہ سے ایمانی استعداد کو کھو بیٹھتا ہے اور اپنے کو اس درجہ میں پہنچادیتا ہے کہ کسی قیمت پر اسلام قبول کرنے کو تیار نہیں، جب انہوں نے عناد کی وجہ سے اپنی استعداد خود ضائع کردی تو اپنی تباہی کا سبب وہ خود ہی بنے اس لئے ان کو کفر کے جرم سے بری نہیں کیا جاسکتا۔ حاصل یہ کہ ان کا یہ فعل شنیع اس مہر جباریت کا سبب ہے نہ یہ کہ ختم الٰہی اس فعل کا سبب ہے، لہٰذا ان کفار کو معذور قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے اس مسئلہ کو سمجھانے کیلئے بیان القرآن میں اس کی مثال یہ دی ہے کہ جیسے کسی امیر کریم نے براہ ترحم کسی مفلس کی سو روپے تنخواہ مقرر کردی مگر وہ ناقدر شناس جب وہ سو روپے آتے ہیں فوراً ہی ان کو کسی کنویں یا دریا میں پھینک آتا ہے جس میں نہ اس کے کام آویں نہ دوسروں کے، اس امیر نے چند بار اس نامعقول حرکت سے منع بھی کیا مگر اس نے ایک نہ سنی اور نہ امید رہی کہ مانے گا، چونکہ ایسے شخص کو روپیہ دینے سے کوئی بھی فائدہ نہ دیکھا اس لئے اس نے وہ

تنخواہ بند کرلی اور افسوس ہے کہ اس شخص کو وہ تنخواہ بند کرنے کا بھی کچھ غم و افسوس نہ ہوا، نہ اس نے کچھ معذرت کی، اس وقت وہ امیر اپنی رعایا کو اطلاع دینے کیلئے کہے کہ اس نمک حرام نے ہمارے عطیہ کی جب ایسی بے قدری کی ہم نے بھی تنخواہ بند کرلی، ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس مثال میں مورد ملامت وہی نمک حرام ہوگا نہ آقائے کریم، اسی طرح اس مضمون کو سمجھ لینا چاہیے(بیان القرآن)

اس تقریر دلپذیر سے کفار پر حق تعالیٰ کی طرف سے مہر لگنے کی وجہ بآسانی اور بخوبی سمجھ آ سکتی ہے۔

رہا یہ شبہ کہ بندے کے افعال کو اختیاری کیوں کہا جاتا ہے جبکہ وہ حق تعالیٰ کے اختیار کے تابع ہے؟ تو اس کا مفصل جواب اور مسئلۂ تقدیر پر تمام عقلی شبہات کا شافی جواب بڑی تفصیل سے بیان القرآن میں موجود ہے، لیکن وہ چونکہ علمی واصطلاحی انداز میں دیا گیا ہے اس لئے اس شبہ کے جواب میں ہم اس کی بجائے حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کا ایک اور ملفوظ گرامی نقل کرتے ہیں، عام فہم ہونے کی وجہ سے ہر ایک کیلئے اس کا سمجھنا آسان ہوگا اور اس سے یہ بھی واضح ہوگا کہ اس مسئلہ میں زیادہ غور وخوض اور بحث ومباحثہ مناسب نہیں ہے بلکہ سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ ان مسائل کی حقیقت پر ایمان رکھا جائے اور اعتراضات سے پرہیز کیا جائے۔ حضرت اقدس رحمہ اللہ کا وہ ملفوظ گرامی یہ ہے:

ایک شخص نے سوال کیا کہ بندہ کے افعال کو اختیاری کیوں کہا جاتا ہے، کیونکہ بندہ کا وہ اختیار تابع ہے حق تعالیٰ کے اختیار کے تو بندہ پھر مختار کہاں رہا، لہذا بندہ کے افعال بندہ کے اختیار میں کیسے کہے جاسکتے ہیں؟ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ قاعدہ ہے کہ فعل کی نسبت عقلاً علت قریبہ کی طرف کی جاتی ہے اور ان افعال کی علت اختیار عبد اور اس اختیار عبد کی علت حق تعالیٰ کا اختیار ہے تو اختیار حق ان افعال عبد کی علت بعیدہ ہوئی اور علت قریبہ ان کی بندہ کا اختیار رہا، اس لئے افعال کو بندہ کے اختیار کی طرف منسوب کرنا صحیح ہوا و بقی فیہ شیء وھو انّ تخلیق اللّٰہ تعالٰی متوسّط بین اختیار العبد و افعالہ الاختیاریۃ فعاد الاشکال، والحقّ انّہ سرّ لایحلّ بانامل العقل فالسّلامۃ عدم الخوض فیہ (الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم ص ۴۱۳)

بقی فیہ شیء سے جس اشکال کا ذکر کیا گیا ہے تفسیر بیان القرآن میں حضرت رحمہ اللہ نے اس کا بھی جواب دیا ہے، لیکن والحقّ انّہ سرّ سے جو کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے اس کے حق اور صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ ھذا ھوالحقّ والحقّ احقّ ان یتّبع ،واللّٰہ الموفّق والمعین ولاحول ولاقوۃ الّا باللّٰہ العلیّ العظیم۔

درس حدیث

رحمۃ الفردوس ترجمہ بہجۃ النفوس

مؤلف: حضرت امام حافظ ابومحمد عبداللہ بن ابی جمرہ الازدی الاندلسی رحمہ اللہ
مترجم: شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی قدس اللہ سرہ

حدیث قتال المسلمین

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لے کر لڑنے پر آمادہ ہوں تو قاتل اور مقتول (دونوں) جہنم میں جائیں گے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! قاتل (کا) یہ (مآل تو ظاہر) ہے مگر مقتول کا یہ حال کیوں ہے؟ فرمایا اس لئے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل پر حریص (اور آمادہ) تھا۔

شرح

فساد نیت اور افعال قلب پر بھی مؤاخذہ ہوتا ہے

(۳۴) حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتول اپنی حرص اور فساد نیت کی وجہ سے جہنم کا مستحق ہوا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حرص بھی ایک عمل ہے جس میں (بعض دفعہ) فساد نیت شامل ہو جاتی ہے (اور بڑے وبال کا سبب بن جاتی ہے) پس مقتول قاتل کے ساتھ ان دونوں صفتوں میں برابر ہو گیا (یعنی قاتل ہونے میں بھی اور جہنمی ہونے میں بھی) کیونکہ انسان کی قدرت میں جتنا تھا وہ دونوں کر چکے، رہا کسی کی عمر کو باقی رکھنا یا ختم کر دینا یہ انسان کی قدرت میں نہیں، اور مقتول بھی تو قاتل کی عمر ختم کر چکا کیونکہ وہ اس کے قتل پر حریص (اور آمادہ) تھا۔

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ظلم کی دو قسمیں ہیں ایک حسی جو محسوس طریقہ پر فعل سے ظاہر ہو، دوسرے معنوی جو نیت اور ارادہ کے درجہ میں ہو۔ ظلم حسی کے احکام تو فقہ میں مذکور ہیں اور شارح نے بھی اس سے کسی قدر تعرض کیا ہے۔

ہاں ظلم معنوی کے متعلق گفتگو باقی ہے اور وہ اس مقام کے مناسب ہے تو (سمجھنا چاہئے کہ) اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ محض نیت ہی کا درجہ ہو عملاً ظلم کا صدور نہ ہوا ہو، نہ ظلم کا سبب بنا ہو،

دوسرے یہ کہ نیت کے ساتھ عملاً بھی ظلم کا صدور رہا یا اس کا سبب بنا (مگر ظلم محسوس نہیں ہوتا) قسم اول کی مثال حسد اور بغض اور تمام بری نیتیں ہیں جن سے شرعاً منع کیا گیا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لاتحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللّٰہ اخوانا باہم حسد اور بغض نہ کرو، ایک دوسرے سے منہ موڑ کر نہ چلو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو، تو یہ بری نیتیں مال وآبرو کی طرح نہیں ہیں کہ ظالم ومظلوم دونوں کا حساب کرلیا جائے اور جس کی زیادتی ہو اس سے بدلہ لے لیا جائے، بلکہ یہ (باہم حسد وبغض رکھنے والے) دونوں قاتل ومقتول کی طرح ہیں، ان دونوں کو معاً عذاب ہوگا اور ایک کا عذاب دوسرے کے عذاب کو کچھ کم نہ کرے گا، کیونکہ خیر وشر میں باطنی امور (اور قلبی ارادہ ونیت) کا اثر ظاہری افعال سے زیادہ ہے۔

اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہوجائے تو سارا بدن درست ہوجاتا ہے اور وہ بگڑتا ہے تو سارا بدن بگڑتا ہے، سن لو! وہ دل ہے (اگر دل خراب ہوگا تو بدن کے سارے افعال بگڑ جائیں گے) اور دل سے مراد یہ عضو نہیں (جس کو اطباء دل کہتے ہیں) بلکہ وہ (نیت وارادہ مراد ہے) جو دل کے اندر رہتا ہے، اس کی زیادہ توضیح وتفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد کرتا ہے جو آپ نے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے فرمایا کہ اگر تم سے ہوسکے کہ ہر صبح اور ہر شام تمہارے اوپر ایسی حالت میں آئے کہ دل میں کسی کی طرف سے کھوٹ نہ ہو تو ایسا (ضرور) کرو، پھر فرمایا برخوردار من یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے گویا مجھے زندہ کردیا، اور جس نے مجھے زندہ کیا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے اس حال میں صبح اور شام کی کہ کسی پر ظلم کی نیت نہیں رکھتا اس کے سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور اس کی ضد (اور خلاف صورت) کے متعلق ارشاد ہے من غشّنا فلیس منّا جس نے ہم سے (یعنی مسلمانوں سے) فریب کیا وہ ہم میں سے نہیں۔

اور جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچانا چاہے گا اللہ تعالیٰ اس کو ضرر پہنچائیں گے، اور جو کسی مسلمان سے فریب کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ فرمائیں گے، اس بارہ میں آیتیں اور حدیثیں بہت ہیں۔

محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

جمع وترتیب: حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہ

O فرمایا رنجیت سنگھ کی حکایت مشہور ہے کہ جب دریا کے اٹک پر پہنچا تو آگے پار ہونے کا اس وقت سامان نہ تھا (یعنی کشتی وغیرہ) اس نے اسی طرح گھوڑا دریا میں ڈال دیا، کسی نے کہا جناب یہ اٹک ہے، رنجیت سنگھ نے فوراً کہا کہ جس کے دل میں اٹک اس کیلئے اٹک، چونکہ اس کو بھروسہ کامل تھا پار ہوگیا جب اہل باطل کے یقین میں یہ اثر ہے تو اہل حق کے یقین میں کیسا کچھ اثر ہوگا۔

O ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ تعلیم کتب دینیہ پر گزارے کی ضرورت سے زیادہ اجرت لینی جائز ہے یا نہیں؟ اس پر فرمایا جائز ہے خصوصاً اس زمانہ میں، کیونکہ مباشرت اسباب طبعاً قناعت اور اطمینان کے حصول کا سبب ہے اور بوجہ ضعف طبائع آج کل یہ قناعت او راطمینان بہت بڑی نعمت ہے۔ باقی یہ کہ ضرورت سے زیادہ کیسی اجازت ہوگی، سو ضرورت دو قسم ہے (۱) حالی (۲) مآلی، پس ممکن ہے کہ اب ضرورت نہ ہو اور آئندہ چل کر ضرورت ہوجائے اس لئے زائد لینے کی بھی اجازت ہوگی، کیونکہ روپیہ زائد پاس ہونے سے ایک قسم کا استغناء رہتا ہے کہ ہمارے پاس روپیہ ہے بلکہ بعض مصالح کے سبب تو بلا ضرورت بھی ایسے ابواب کا قبول کرلینا مستحسن قرار دیا گیا، چنانچہ صاحب ہدایہ نے رزق قاضی کے قبول کرنے میں خاص مصلحت بیان کی ہے اور اسی کی بنا پر میں نے جمعرات کی روٹیاں جو یہاں مسجد میں آتی تھیں جاری رکھنے کی رائے دی ہے جس کو بعض مؤذن بوجہ حاجت نہ ہونے کے رد کردیتے تھے، میں نے کہا کہ رد نہ کی جائیں ممکن ہے کہ یہ حالت استغناء کی ہمیشہ نہ رہے اور پھر کسی دوسرے مؤذن کو ضرورت واقع ہو اور اگر لوگوں کی عادت نہ رہی تو دوسرا مؤذن تنگ آکر مسجد چھوڑے گا اور مسجد غیر آباد ہوجائے گی، یہی مصلحت مدرسی کی تنخواہ لینے میں بھی ہے کہ سلسلہ جاری رہنے سے اہل اعانت کی عادت رہے گی، نیز اس سے انکار کرنے میں در پردہ امام شافعی رحمہ اللہ پر اعتراض ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ بالکل جائز ہے اور اگر اس میں طمع کا شبہ ہو تو اتنی طمع بھی جائز ہے۔

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

تائید میں فرمایا حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ اس وجہ کے زاہد تھے کہ ان کے پاس ہارون رشید کا خط آیا تو لکڑی سے کھول کر پڑھا تھا اور فرمایا تھا کہ اس خط کو ظالم کا ہاتھ لگا ہے، مگر باوجود اس کے وہ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں کچھ مال جمع رکھنا مصلحت ہے کیونکہ اگر ناداری کی حالت میں ضرورت پڑے گی تو مضطر ہو کر پہلے دین ہی کو تباہ کرے گا، اس واسطے تنخواہ ضرور لے اور اگر کچھ بچ جائے تو اس کو جمع کرتا رہے۔

O فرمایا میں نے شورش کے زمانہ میں حضرات مدرسہ دیوبند کو لکھا کہ اب تک تو آپ تدبیرات میں رہے اب ترک تدبیر کر کے بھی دیکھ لیا جاوے یہ نسخہ بھی بڑا مجرب ہے، اور اس ترک تدبیر میں اگر نقصان بھی ہوا تو اتنا نہ ہوگا جتنا تدبیرات میں ہوا ہے، مگر اکثر لوگ تدبیرات ہی میں لگے رہتے ہیں۔

ف: مراد وہ تدبیرات ہیں جو اغراض غیر مقصودہ کیلئے کی جاتی ہیں۔

O (ایک مہتمم مدرسہ نے لکھا کہ میں مدرسہ کی قلم دوات سے اپنا خط نہیں لکھتا اس میں نفس کا کوئی کید تو نہیں؟) فرمایا اس میں کید نفس نہیں بلکہ قید نفس ہے جس میں صید نفس ہے۔

O اپنے استاد مولانا سید احمد صاحب رحمہ اللہ مدرس دیوبند کی حکایت بیان فرمائی کہ ان کے ماموں حضرت مولانا محبوب علی صاحب کے ہاں اولاد نہ ہوتی تھی اس وجہ سے وہ مغموم رہتے تھے، مولانا سید احمد صاحب رحمہ اللہ بہت کم عمر تھے مگر بڑے ذہین، ماموں صاحب کو ایک روز مغموم دیکھ کر فرمایا یہ غم کی کوئی وجہ نہیں بلکہ خوشی کا مقام ہے کیونکہ جس شخص کے ہاں اولاد ہو وہ من وجہ مقصود ہے یعنی اپنے آباء کے اعتبار سے اور من وجہ مقدمہ ہے اپنے ابناء کے اعتبار سے، اور جس کے ہاں اولاد نہیں وہ محض مقصود ہے کسی کا مقدمہ نہیں اور ظاہر ہے مقصود کا مرتبہ مقدمہ سے بڑھا ہوا ہے، ماموں صاحب مسرور ہو گئے۔

O ایک شخص نے خط لکھا کہ میرے لئے دعا کیجئے اللہ تعالیٰ اولاد عنایت فرمادیں اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ جب آپ اپنے لئے دعا نہیں فرماتے تو میرے لئے کیسے دعا فرمائیں گے۔ اس پر فرمایا کہ تمہارے لئے دعا کروں گا کیونکہ مجھے تو اولاد کی خواہش نہیں تعلقات سے جی گھبراتا ہے اور تم کو خواہش ہے تمہارے لئے دعا کروں گا، پھر فرمایا کہ میں تو مجنون ہو جاتا اگر اولاد ہوتی۔

O فرمایا وعظ نفی الحرج کا انگریزی ترجمہ ہو گیا ہے مدرسہ کے دفتر میں موجود ہے اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

O فرمایا احکام میں حدود شکنی جرم عظیم ہے۔ (الکلام الحسن)

فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ

تعمیر پاکستان میں مسٹر اور ملا کا کردار

گزارش ہے کہ اس سے قبل ایک مضمون ''تحریک پاکستان اور علماء دیوبند کا کردار'' شائع ہو چکا ہے، اس میں اچھی طرح واضح کر دیا گیا ہے کہ علماء دیوبند نے ''تحریک پاکستان'' میں بڑھ چڑھ کر نہ صرف یہ کہ حصہ ہی لیا بلکہ قائدین مسلم لیگ کے شانہ بشانہ قیادت کا فریضہ انجام دیا ہے، خصوصاً حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اور ان کے متوسلین اور رفقاء کار علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ، مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ، مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ، مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ اور مولانا اطہر علی رحمہ اللہ، مولانا مفتی محمد حسن رحمہ اللہ، مولانا خیر محمد رحمہ اللہ وغیرہ سینکڑوں اکابر علماء نے اپنی تحریروں، تقریروں اور مشوروں سے اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کیا ہے اور ''جمعیت علماء اسلام'' کی بنیاد ڈال کر ''مسلم لیگ'' کے مطالبۂ پاکستان کی علانیہ جماعتی طور پر حمایت کی تھی اور اس کی اسلامی رخ پر صرف قلمی راہنمائی ہی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ۱۹۴۵ء کے فیصلہ کن الیکشن میں عملی جدوجہد میں بھی حصہ لیا خصوصاً سلہٹ اور سرحد کے ریفرنڈم کے سخت ترین معرکہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اور لیاقت علی خان مرحوم کے الیکشن میں یو۔پی کی جس سیٹ پر وہ کھڑے ہوئے تھے وہاں سخت مقابلہ تھا، مقابلہ میں ''جمعیت علماء ہند'' کے مشہور ترین کارکن سید احمد کاظمی ایڈووکیٹ تھے جن کی ہر طرح کی پشت پناہی کیلئے کانگریس کی پوری قوت ہمہ جہت تیار تھی اور یو۔پی میں صرف ۱۴ فیصد مسلمان آباد تھے، کانگریس کا پورا کنٹرول تھا، ایسے حالات میں ان کا کامیابی حاصل کرنا علماء کرام کا ساتھ دیئے بغیر ناممکن تھا، علماء نے پوری جدوجہد کی، اللہ تعالیٰ نے ان کی مساعی کو بار آور کیا اور ان کو عظیم فتح حاصل ہوئی۔

علماء کرام کی ان مساعی کا اعتراف اس وقت کے مسلم لیگ کے عمائدین اور قائدین سب کو تھا جیسا کہ ''تحریک پاکستان اور علماء کے کردار'' میں ہم نے ان کے بیانات سے ثابت کیا ہے۔

مسلم لیگ کو اسلامی رخ دینے میں حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی مساعی جمیلہ

مسلم لیگ کے مخالفین کی طرف سے اس قسم کا پروپیگنڈا زوروں پر تھا کہ اس جماعت کے قائدین اکثر و بیشتر دین سے بے بہرہ اور بعض تو اسلام کے خلاف کھلم کھلے بیانات دیتے رہتے ہیں تو

ان سے کیا توقع ہے کہ پاکستان کے قیام کے بعد یہ اس میں اسلامی نظام جاری کردیں گے، اسے جماعت علماء کی تائید بھی حاصل نہیں ہے، زیادہ تر برطانیہ کے خطاب یافتہ اور مسٹروں کی قیادت اس کو حاصل ہے اور مسٹروں کا ذہن لارڈ میکالا کے نظام تعلیم سے جو بنا ہے کہ اس کا خلاصہ یہی ہے کہ اس نظام تعلیم کا مقصد یہی تھا کہ اس سے ایسے اشخاص تیار کئے جائیں جو رنگ و نسل کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں مگر ذہن وسوچ کے اعتبار سے انگریز ہوں، جس کو علامہ اقبال مرحوم نے بھی اپنے الفاظ میں اس طرح ذکر کیا ہے

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم ایک سازش ہے فقط دین ومروت کے خلاف

ایسے حالات میں مسلم لیگ کو اسلامی رخ نہ دیا جاتا اور مقتدر علماء کرام کی بااثر جماعت کی حمایت، تائید حاصل نہ ہوتی تو عام طور پر مسلمانوں کا اس کے ساتھ ہونا ناممکنات میں سے معلوم ہو رہا تھا۔

اس نزاکت حال کا احساس کرتے ہوئے ''جمعیت علماء اسلام'' کے قیام سے بھی پہلے جھانسی کے الیکشن ۱۹۳۵ء سے ہی حضرت تھانوی رحمہ اللہ وفود اور پیغامات کے ذریعہ قائدین مسلم لیگ کو اسلامی احکام کی طرف متوجہ کر رہے تھے اور مختلف میٹنگوں اور اجلاسوں میں اپنے خصوصی نمائندوں کو قائد مسلم لیگ محمد علی جناح کے پاس بھی بھیج رہے تھے اور اس پر زور دیا جارہا تھا کہ مسلمانوں کی سیاست مذہب کے بغیر کامیابی حاصل نہیں کرسکتی۔

چنانچہ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس پٹنہ ۱۹۳۸ء سے ایک دن پہلے وفد پٹنہ پہنچا، قائداعظم کی خدمت میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے وفد کے رکن اعظم مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''مسلمان ایک مذہبی قوم ہے، جب تک سیاست کو مذہب کے ساتھ نہ ملایا جائے کامیابی نہ ہوگی، آپ بھی مسلم لیگ میں مذہب کو شامل کرلیں، یہ تو یورپ کی سیاست ہے کہ سیاست کو مذہب سے علیحدہ رکھا جائے، اسلامی سیاست یہ ہے کہ خلیفۂ اسلام قائد حرب بھی تھا اور نماز کا بھی امام تھا، جب سے سیاست نے مذہب کو چھوڑا ہے مسلمانوں کو تنزل شروع ہوگیا''۔

قائداعظم نے اگلے دن ہی کھلے اجلاس میں اعلان کردیا کہ ''اسلام عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور سیاست کا مجموعہ ہے۔ قرآن کریم نے سب کو ساتھ ساتھ بیان کیا ہے اس لئے سیاست کے ساتھ مذہب کو بھی لینا چاہیے''۔

قائداعظم کی اس تقریر کو اخبار ''الامان'' میں اس سرخی کے ساتھ شائع کیا تھا ''مولانا حکیم الامت

کی روحانیت کی تاثیر اور قائد اعظم کی تقریر"۔

اور یہ اجلاس ۲ بجے یہ کہہ کر ملتوی کر دیا گیا کہ سب صاحب نماز پڑھیں، قاضی شہر نے نماز پڑھائی اور قائد اعظم سمیت تمام لوگوں نے جن کی تعداد لاکھ سے بھی زیادہ تھی ان کے پیچھے نماز ادا کی (تذکرۃ الظفر ص ۲۶۷) مخالفین کے پروپیگنڈا کا جواب دینے اور عام مسلمانوں کو اعتماد میں لینے اور مطالبۂ پاکستان کی تائید کیلئے علماء کو اپنا مستقل مرکز قائم کرنے کی ضرورت پیش آئی اور "جمعیت علماء اسلام" کی بنیاد ۱۹۴۵ء میں رکھی گئی ۔اب ہوا کا رخ بدل گیا، جو لوگ ابھی تک مسلم لیگ کی تائید میں مذبذب تھے ان کا تذبذب دور ہو کر وہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور مطالبۂ پاکستان کے حامی اور مددگار بن گئے۔

یہ درست ہے کہ اس وقت "جمعیت علماء ہند" وغیرہ کے بعض علماء کانگریس کا ساتھ دے رہے تھے مگر ان "علماء اشرفیہ" کی خدمت کو نظر انداز کر دینا اور یہی پروپیگنڈا کرتے رہنا کہ علماء کی سرگرمیاں پاکستان کے سراسر خلاف تھیں بڑی ہی بے خبری یا پھر جان بوجھ کر فریب دہی ہے جو اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے اور لکھا جارہا ہے کہ ملا کو اسلامی سلطنت کی ضرورت محسوس نہ ہوئی، اس کا تصور ایک نئے نواز صاحب دل نے پیش کیا اور اس کیلئے قربانیاں کرنے والوں میں ملا کہیں نظر نہ آیا (اقبال اور ملا از خلیفہ عبدالحکیم)

ہم تصور پاکستان کے بارہ میں حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء کی خدمات کی پوری تفصیل "تعمیر پاکستان اور علماء کرام کا کردار" میں پیش کر چکے ہیں، اس کے دوبارہ عرض کرنے کی اس جگہ ضرورت نہیں ہے۔

مسٹر اور ملا

مگر اس قدر عرض کر دینا ضروری معلوم ہوا کہ آج کل اپنی بے علمی یا کم علمی کی وجہ سے لفظ "ملا" سے جس قدر علماء کرام کی تحقیر کی جارہی ہے یہ برطانیہ کے اسی نظام تعلیم کی پیداوار ہے جس کو علامہ اقبال مرحوم نے اپنے سابقہ شعر میں دین و مروت کے خلاف اہل کلیسا (عیسائیوں) کی سازش قرار دیا ہے۔

اس نظام تعلیم نے ،عیسائیوں نے دین اسلام کے خلاف ایک ایسا طبقہ پیدا کیا جو ان کے مقاصد و عزائم کیلئے کام کرنے لگا اور دین اسلام اور اس کے حاملین علماء کرام کے خلاف عوام کے دلوں میں نفرت کے جذبات پیدا کرتا رہا، اور اب بھی تقریباً یہی حال ہے کہ یہ انگریز کی پیداوار اور کالجوں،

یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے والے اکثر و بیشتر دین اور علماء دین سے متنفر ہیں اور عوام کو طرح طرح سے متنفر کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔

ان کے دلوں کا حسد و تنفر موقع بموقع ظاہر ہوتا رہتا ہے اور علماء کرام کے وقار اور عزت و ناموس کو گرانے کیلئے بہانے اور حیلے تلاش کرنا ان کا تعلیمی فرض اور ان کے آقا انگریز کی وفاداری کا حصہ ہے۔ سفید رنگ کے انگریز واپس چلے گئے مگر اپنی جگہ کالے انگریزوں کا ایک ٹولہ وہ تیار کر گئے اور ہماری تعلیم گاہیں اس ٹولے کو تیار کرنے میں بدستور مصروف ہیں اور اپنے آقاؤں کے خوش کرنے کیلئے ہمہ وقت جد و جہد کر رہی ہیں۔

ان کی تقریریں، ان کی تحریریں، مضامین، مقالے ایسے ہی مضامین پر مشتمل ہوتی ہیں جو علماء کرام کے خلاف ہوں اور ان کے وقار کو گرانے کے مترادف ہوں۔

جس لفظ ''ملا'' کو اس گروہ نے جو اپنے تمام سرکاری وسائل اور سرکاری خزانہ خرچ کرنے اور ملازمتوں اور عہدوں کے لالچ دینے کے باوجود ۵ یا ۱۶ فیصد سے زیادہ نہیں بڑھ سکا علماء کرام کی تحقیر کیلئے پسند کیا ہے اور ان کو علماء کیلئے اس کے استعمال کرنے میں بڑا مزہ آتا ہے اور اس کو استعمال کر کے وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے آقا انگریز کا حق نمک ادا کر دیا ہے، ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ لفظ بہت معزز اور بڑے علماء کیلئے استعمال کیا جاتا تھا۔

علامہ اقبال کے شہر سیالکوٹ میں مغل بادشاہ، شاہ جہاں کے زمانہ میں بہت بڑے عالم دین مولانا عبدالحکیم ہوئے ہیں ان کا لقب ''ملا عبدالحکیم'' تھا، ان کی عزت و اکرام کے طور پر شاہ جہاں نے ان کو دو مرتبہ چاندی یا سونے میں تول کر ان کو نذرانہ پیش کیا تھا، یہ قدر روائی دنیا کے لحاظ سے کافی سمجھی گئی اور واقعی بہت بڑی عزت افزائی ہے، مگر ان کے علم و فضل کے لحاظ سے یہ ان کے ادنیٰ حصہ علم کی حق کی ادائیگی بھی نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ نے جن علماء کرام کے سینوں کو علوم قرآن و سنت سے معمور و منور کر دیا ہو اور دین اسلام کی اصل حقیقت اور اس کی روح کی لذت سے آشنا کر دیا ہو وہ اس حطام دنیا کے حریص نہیں ہوتے۔

البتہ حسب ارشاد نبوی ﷺ اتتہ الدنیا وھی راغمۃ دنیا ان کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے، یہ وہ ملا عبدالحکیم ہیں جنہوں نے سب سے پہلے حضرت شیخ احمد سرہندی کے مجدد ہونے کا انکشاف

کیا اور حضرت شیخ احمد سرہندی کو اللہ تعالیٰ نے ''فتنۂ اکبری'' متحدہ قومیت کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بنا کر کھڑا کر دیا اور جہانگیر کے زمانہ میں قلعہ گوالیار میں قید و بند کے مصائب میں مبتلا رہے۔

ان کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا ہے کہ

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان   اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

یہ شیخ احمد مجدد الف ثانی بھی علوم قرآن و سنت کے حامل ملا ہی تھے، کالج اور یونیورسٹی کے ڈگری یافتہ نہیں تھے، شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی بھی عالم دین اور ملا ہی تھے جن کی دعوت پر ابدالی شاہ نے ہند میں مرہٹوں کا زور توڑا اور مسلمانوں کو ان کے مظالم سے نجات دلوائی۔

حضرت شاہ محمد اسماعیل سید احمد بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ حضرات بھی سکھوں کے مظالم سے مسلمانوں کو نجات دلانے کیلئے ہر طرح کے مصائب اور تکالیف برداشت کر کے صوبہ یو-پی کے شہر دہلی سے مجاہدین کا قافلہ لے کر سرحد آئے اور اپنی جانیں راہ خدا میں پیش کر کے شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث، اور حرم نبوی کے استاذ حدیث حضرت مولانا حسین احمد مدنی وغیرہ بھی ''ملا'' ہی تھے جنہوں نے ترکوں اور افغانستان کی حکومتوں سے معاہدہ کر کے ہندوستان سے انگریزوں کے نکالنے کے جرم میں تقریباً چار سال جزیرہ مالٹا (مصر) میں جیل کی تکلیفیں برداشت کیں، یہ سب ''ملا'' ہی تھے، کوئی مسٹر ان کے ساتھ نہیں تھا، نہ کوئی بے نوا ان میں نظر آیا۔

مولانا محمد علی جوہر کو بھی ان قابل قدر مساعی پر رشک آتا رہا، مسٹروں کو ان علماء کرام کے خلاف پروپیگنڈا کرنا ان کا فطری وظیفہ ہے، کیونکہ ان ملاؤں نے ان کے آقاؤں کو جن کو دعویٰ تھا کہ ہماری حکومت میں سورج نہیں غروب ہوتا، ہندوستان سے نکالنے میں بڑا مؤثر کردار ادا کیا، یہ بچارے زخم خوردہ ملاؤں کے خلاف اپنی بڑھک نہ نکالیں تو اور کیا کریں؟

ہندو مسلم اتحاد اور متحدہ قومیت جس کا علماء کام (ملا) کو طعنہ دیتے ہوئے ان مسٹران عظام کی زبانیں خشک ہو جاتی ہیں، خود ان کا اپنا حال یہ رہا ہے کہ ''مسلم لیگ'' کی بنیاد ڈھاکہ میں نواب سلیم اللہ صاحب نے ۱۹۰۱ء میں رکھی اور عرصہ تک متحدہ قومیت کی بانی جماعت کانگریس کے ساتھ مل کر کام کرتی رہی، ۱۹۳۸ء میں جب موتی لعل نہرو، جواہر لعل نہرو کے والد نے رپورٹ پیش کی جو نہرو رپورٹ کے

نام سے مشہور ہے اور کانگریس کے اصل چہرہ سے نقاب اٹھا اور اس کی اصلی شکل "مسلم دشمنی" دکھلائی دی تب ان مسٹران کرام کو کچھ ہوش آیا اور محمد علی جوہر جیسے کچھ مسٹران کرام کانگریس سے علیحدہ ہو گئے اور علامہ اقبال مرحوم نے بھی اپنے خطبہ صدارت الٰہ آباد میں عام مسلمانوں کیلئے علیحدہ حکومت کا تذکرہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر کیا، ورنہ اس وقت تک مشترک طور پر ہندو مسلم حکومت برطانیہ سے حقوق طلبی میں مصروف تھے اور سب مل کر ایک ہی مرکز قائم کرنے کا مطالبہ تھا، حقوق کی تقسیم میں ہندو مسلم اختلاف تھا، یہاں تک جو سکیم ۱۹۴۲ء برطانیہ کی طرف سے پیش کی گئی تھی اس میں بھی مرکز کے وفاقی ہونے اور دس سال کے بعد ہر صوبہ کو علیحدہ ہونے کے اختیار کا ذکر تھا، یہ سکیم "کرپس سکیم" کے نام سے موسوم ہے، کانگریس کے ساتھ مسلم لیگ نے بھی اتفاق نہیں کیا، اس کو نامنظور کر دیا تھا، اس کے بعد ۱۹۴۵ء میں وائسرائے ہند لارڈ ویول نے شملہ میں کانفرنس بلائی، اس کا بھی کچھ نتیجہ برآمد نہیں ہوا اور مختلف جماعتوں میں مفاہمت نہ ہو سکی، اس کے بعد یہ جاننے کیلئے کہ کیا مسلمان پاکستان چاہتے ہیں یا نہیں برصغیر میں عام انتخاب کرائے گئے، جب انتخابات ہوئے تو مسلم لیگ نے حیران کن کامیابی حاصل کی اور ثابت ہو گیا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور ملت اسلامیہ پاکستان کے حق میں ہے۔

اگر "کرپس سکیم" پر عمل ہو جاتا تو ۱۹۴۰ء کی قرارداد لاہور اور مطالبۂ پاکستان کیلئے تمام جدوجہد بے کار اور بے مقصد ہو جاتی۔

پھر جب کانگریس کے مطالبہ پر وائسرائے ہند لارڈ ویول نے مسلم لیگ کو نظر انداز کر کے عبوری حکومت تشکیل کرنے کی دعوت دی جسے کانگریس نے قبول کر لیا، ۲۴ راگست ۱۹۴۶ء کانگریس اراکین کے ناموں کا اعلان کر دیا، پنڈت نہرو کو وزیر اعظم مقرر کر دیا اور ۲ ستمبر کو کانگریس نے عبوری حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی، یہ دن تاریخ سیاست کا تاریک دن تھا، تو ہماری لیگ بھی اکتوبر کے اوائل میں لارڈ ویول سے دوبارہ بات چیت کر کے عبوری حکومت کی تشکیل نو کے بعد اس میں شامل ہو گئی۔ یہ عمل کسی خاص وجہ سے ہی ہوا ہو گا مگر کیا یہ مطالبۂ پاکستان کے موافق تھا؟ اور کیا یہ کسی "ملا" نے کیا تھا یا "مسٹران کرام" نے کیا تھا؟ غور طلب بات ہے۔

ایک "ملا" مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے کابینہ مشن کے نام کی ایک تار دہلی بھیجا کہ "مسلم لیگ" مسلم ہند کی واحد نمائندہ سیاسی تنظیم ہے، کل ہند جمعیت علماء اسلام متحدہ طور پر مسلم لیگ کی

پشت پر ہے۔

پاکستان مسلمانوں کا قومی، ملی مطالبہ ہے، اس مطالبہ کے انکار کا تصور کسی صورت نہیں کیا جا سکتا، مسلمان اس سوال پر کمی بیشی کر کے کوئی مصالحت کرنے کیلئے تیار نہیں، مسلمان اس مطالبہ ملی کے حصول کیلئے ہر قربانی کیلئے تیار ہیں (تذکرۃ الظفر ص ۳۸۳)

مولانا نے ایک بیان میں فرمایا کہ "مسلم لیگ اگر بحیثیت جماعت پیچھے ہی رہ جائے تو اب ہندوستان کے ہزاروں علماء جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم پر جمع ہو چکے ہیں، پاکستان کے حصول میں اگر ہماری جانیں بھی کام آ جائیں تو ہم اس سے دریغ نہیں کریں گے" (تذکرہ)

اب رہا پاکستان بننے کے بعد، تو پہلی اسمبلی ہی میں قائداعظم نے دوقومی نظریہ کے بظاہر خلاف اور متحدہ قومیت کے حق میں اعلان کر دیا تھا کہ اب سب پاکستانی ہیں نہ کوئی مسلمان مسلمان ہے، نہ کوئی ہندو ہندو ہے، اور تمام وعدے نظام اسلام کے پس پشت ڈال دیئے اور کانگریس کی متحدہ قومیت کی تائید کر دی۔

گو اس تقریر کی بہت کچھ تاویلیں کی گئی ہیں اور کی جارہی ہیں، ان کی دوسری تقریروں کی روشنی میں اس کے اور کئی معنی بنائے جارہے ہیں، مگر اس کا ظاہری تاثر یہی تھا کہ یہ تقریر پاکستان کے بنیادی دوقومی نظریہ کے خلاف اور مسلم لیگ کے مطالبۂ پاکستان کے منافی تقریر تھی اور صریح طور پر یہ تقریر کانگریس کے متحدہ قومیت کے نظریہ کی تائید کا موقع فراہم کر رہی تھی، نیز پاکستان کے مسلم حکومت ہونے اور اس میں نظام اسلام کے جاری کرنے کے سابقہ وعدوں سے انحراف کے مترادف تھی۔ اگرچہ بعد میں بعض تقریروں میں صراحۃً قرآن کریم پر عمل کرنے کی تاکید بھی کی گئی ہے، اس طرح مسئلۂ نظام اسلام کو الجھا دیا گیا اور اپنی زندگی میں اس کیلئے کوئی عملی اقدام بھی نہیں کیا گیا۔

لیاقت علی خان باوجود وزیراعظم ہونے اور علماء کرام کی کوششوں سے اسمبلی کے ممبر بننے اور علماء کے ممنون ہونے کے نظام اسلام کے اجراء کے بارہ میں لیت ولعل کر رہے تھے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء دوسرے علماء کرام کو عوام میں جو بے پناہ مقبولیت اور مرکزیت حاصل تھی انہیں اپنے الیکشن میں اس کا بخوبی اندازہ ہو چکا تھا۔ لیاقت علی خان نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اگر علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء مخالف ہو گئے تو اپنے رفقاء کار کے ساتھ مل کر ملک

میں ایک طوفان کھڑا کردیں گے جسے کوئی روکنے والا نہ ہوگا۔

چنانچہ علامہ نے اسمبلی کو چیلنج کردیا تھا کہ آپ کھل کر انکار کردیں کہ ہم اسلامی دستور نہیں بنانا چاہتے، میں اسمبلی سے استعفاء دوں اور مسلمانوں کو بتلاؤں گا کہ تمہیں دھوکا دیا گیا ہے (تذکرہ مولانا محمد ادریس)

یہ صورت حال دیکھ کر لیاقت علی خان نے علامہ عثمانی رحمہ اللہ سے قرارداد مقاصد کا مسودہ تیار کرنے کی درخواست کی، ان کی درخواست پر قرارداد مقاصد کا مسودہ تیار کیا جو مختصر ہونے کے باوجود نہایت جامع ہے۔

بحث و تمحیص کے بعد ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو دستور ساز اسمبلی نے معمولی ترمیمات کے ساتھ پاس کردیا، علامہ عثمانی نے اس پر اس کی تائید میں ''روشنی کا مینار'' کے نام سے اسمبلی میں تقریر کی جو شائع شدہ ہے۔

یہ علامہ (ملا) کا ایسا کارنامہ تھا جو تاریخ پاکستان میں سنہری حروف سے لکھا جانے کے قابل ہے، اگر چہ ایک مسٹر کے ذریعہ اور اس کے ہاتھوں اس کا ظہور رہوا۔

''ملا'' کے اس کارنامہ کو پہلے آئین پاکستان کے دیباچہ میں بطور رہنما اصول کے لکھا جاتا رہا، پھر ایک ''ملانواز'' صدر ضیاء الحق مرحوم نے اسے آئین پاکستان کا حصہ قرار دے دیا اور آٹھویں ترمیم کی صورت میں کئی اسلامی قوانین کو تحفظ دے دیا۔

اس ''ملانواز'' کی اس ترمیم کی بدولت ہی مسٹروں کو نام نہاد جمہوریت کا اعزاز ملا اور کرسی صدارت پر براجمان ہوکر ایک ''مسٹر'' غلام اسحاق مرحوم نے دو مرتبہ قومی اسمبلی کو ذبح کیا اور اقتدار اعلیٰ کی کرسی کا شکار کیا اور عوامی مینڈیٹ کی پرواہ کئے بغیر اور سپریم کورٹ کے فیصلہ قومی اسمبلی کے اعتماد پر لمن الملك اليوم آج ملک کس کا ہے؟ کا کوس بجاتے رہے اور اقتدار اعلیٰ کے مزے لوٹتے رہے۔

(مرحوم کے یہ معنی نہیں کہ وہ وفات پا گئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو تا دیر سلامت رکھے اور جس طرح انہوں نے ۱۹۹۳ء کے الیکشن کے بعد اپنی بحالی صدارت کیلئے کوشش کی ہے اور اس سے عوامی نظروں میں ان کا مقام بلند ہوا ہے پھر بھی وہ اسی طرح کا اعزاز حاصل کرتے رہیں اور اس آخری عمر میں بجائے اللہ اللہ کرنے کے وہ اس وادی سیاست کی سیر و سیاحت میں آخری سانس تک کوشاں رہیں)

(لوگوں نے ''مرحوم'' کے لفظ کو معنی سمجھے بغیر خواہ مخواہ وفات یافتہ کے ساتھ خاص کردیا ہے، یہ رحمت کی دعا ہے، ایسے لوگ اس اعزاز رحمت کی دعا کے اپنے کارناموں کی وجہ سے اپنی زندگی ہی میں

مستحق ہوتے ہیں)

اب بھی اسی ''ملانواز'' کی ترمیم کی بدولت صدر صاحب کو قومی اسمبلی کے برخاست کرنے کا اختیار ہے، یہ ان کی اپنی صوابدید ہے کہ وہ اس کو کیسے اور کب استعمال کرتے ہیں، یہ تلوار ان کے دست قدرت میں ایک ''ملانواز'' نے دلوادی ہے۔

تلوار غازی اور نیک کردار کے ہاتھ میں بہترین نتائج پیدا کرتی ہے اور ڈاکو کے ہاتھ میں کیسے نتائج پیدا کرے گی وہ اہل دانش پر ظاہر ہے۔

مگر اتنا فائدہ اس اختیار کا ضرور رہا کہ آئے دن کے ''مارشل لاء'' سے نجات کا راستہ اس نے دکھلادیا، یہ بہت بڑا کارنامہ ''ملا'' کا نہیں صرف ''ملانواز'' کا ہے، مگر پھر بھی بیچارہ ''ملا'' قابل نفرت اور طعن وتشنیع کے ہی لائق ہے، ہزار عیب اس میں نکالے جائیں تو صحیح اور قابل قبول ہیں تحقیق کی ضرورت نہیں۔ اس کے اندر واقعی خوبی کی اگر کوئی بات ہو بھی تو اس کا ذکر تک نہ کرنا بھی مسٹران کرام کے فرائض میں داخل ہے، کیونکہ یہ ملا سے نفرت ان کے نظام تعلیم کا خاصہ اور اس کے خمیر میں داخل ہے اور ان کے آقاؤں انگریز کی سازش ہے جیسا کہ علامہ اقبال کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔

اپنی طرف بھی ایک نظر براہ کرم

تحریک پاکستان میں کیا تمام علیگ اور مسٹران کرام شامل تھے؟

لیاقت علی خان مرحوم کے مقابلہ میں سید احمد کاظمی ایڈووکیٹ کیا مسٹر نہیں تھے؟ اور وہ کانگریس کی حلیف جمعیت علماء ہند کے ٹکٹ پر لیاقت علی مرحوم کا مقابلہ نہیں کر رہے تھے؟

یہ ایک مثال ہے، اسی طرح دوسرے مسلم لیگی امیدواروں کے مقابلہ میں کیا ''ملا'' امیدوار تھے یا مسٹران کرام؟

پھر کیا اس کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام علیگ اور مسٹران کرام پاکستان اور مسلم لیگ کے مخالف تھے؟ تو پھر تمام علماء کرام کو کیوں تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کا مخالف گردانا جاتا ہے، جبکہ اس وقت ''دیوبندی عالم'' نے مسلم لیگ کے امیدوار کے مقابلہ میں الیکشن نہیں لڑا، مسلم لیگ کے مقابلہ میں مسٹر ہی امیدوار کھڑے نظر آئے ہیں، یہ اور بات ہے کہ بعض علماء کو نظریاتی اختلاف تھا۔ اس سے بڑھ کر اکابر جمعیت علماء ہند نے ۱۹۳۷ء کے الیکشن میں مسلم لیگ کے ساتھ معاہدہ کیا اور اس کے پارلیمنٹری

بورڈ میں شامل بھی رہے اور اس کے امیدواروں کی حمایت اور تائید بھی کی۔

تقریباً پورے دو مہینہ کی رخصت بوضع تنخواہ دارالعلوم دیوبند سے لے کر خود حضرت مدنی رحمہ اللہ نے اتنی جدوجہد کی کہ تیس سے زائد ممبر مسلم لیگ کے کامیاب ہو گئے اور چوہدری خلیق الزمان نے حضرت مدنی رحمہ اللہ کو خط لکھا کہ تیس برس کی مردہ لیگ کو آپ نے زندہ کر دیا (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۱۶۳ ج ۲)

مگر الیکشن کے بعد ٹوڈیان کرام اور مسٹران باوقار نے تمام معاہدوں کے خلاف کیا اور جب وعدوں کی خلاف ورزی کی شکایت کی گئی تو نشتر صاحب نے کہہ دیا کہ وہ پولیٹیکل وعدے تھے، اس لئے بجبوری جمعیت علماء ہند کو مسلم لیگ سے پھر علیحدگی اختیار کرنی پڑی اور وہ رجعت قہقری کر کے کانگریس کے ساتھ جا ملی، یہ خلاف معاہدہ نہ کرتے تو جمعیت علماء ہند ۱۹۴۵ء کے الیکشن میں بھی اکٹھی ہی رہتی اور مسلم لیگ کی تائید کرتی۔ یہ ہمارے مسٹران کرام کی کارکردگی اور پابندی معاہدات نہ کرنے کا نتیجہ تھا۔

کسی معاہدہ کی پابندی نہ کرنا یہ تو ان کا شعار ہی ہے اور اس پر عمل کرنا ان کے مذہب و تعلیم کے خلاف ہے، ان کا مذہب ہی یہ تھا کہ وقت گزار و چاہے دھوکہ دینا پڑے، خلاف وعدگی کوئی عیب نہیں اور معاہدات کی کوئی حیثیت ہی ان کے یہاں نہیں ہے۔ شاہان مغلیہ سے اسی طرح معاہدات کر کے اور پھر ان کی خلاف ورزی کر کے تمام ہندوستان پر قبضہ جما لینا تاریخ کا بڑا دل خراش باب ہے۔ یونینسٹ پارٹی کا بانی کیا کوئی ''ملا'' تھا، یہ پارٹی انگریز کی وفاداری میں بنائی گئی تھی اور ''ملا'' نے اگرچہ مسلم لیگ کے معاہدہ کے خلاف کرنے کی وجہ سے اس سے علیحدگی اختیار کر لی مگر انگریزوں کے خلاف ہی رہے، انگریز کے کیمپ میں شامل ہونے کی سعادت سے وہ محروم ہی رہے، یہ مسٹر کو ہی نصیب ہوئی۔

گیلسی حکومت برطانیہ کی طرف سے اس وقت پنجاب کا گورنر تھا اور خضر حیات وزیر اعظم، کیا یہ خضر حیات کوئی ''ملا'' تھا یا مسٹر؟ اس نے یہ حکم جاری کیا تھا کہ مذہب اور خدا کا نام لے کر کوئی شخص الیکشن کے میدان میں نہ آئے، جبکہ مسلم لیگ کے علماء (ملا) اور لیڈر سب ہی مذہب کے نام پر ہی پاکستان کا نعرہ بلند کر رہے تھے اور مسلم لیگ کا نعرہ ''پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللّٰہ'' ہی تھا۔

اس کے جواب میں ایک ''ملا'' علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اپنے خطبۂ صدارت لاہور میں فرمایا تھا (جو چھپا ہوا ہے آج بھی دیکھا جا سکتا ہے)

''آج ہمارا مشترکہ جذبہ اسلامیت اور اعلیٰ قومی مفاد کا تصور ایسے حقیر نزاعات کو ایسے نازک

موقع پر ختم نہیں کرسکتا ،ضرور کرسکتا ہے مگر وہ ختم کرنا اسی خداوند قدوس کے نام پر ہوگا جس کا واسطہ دینا الیکشن کے زمانہ میں جرم قرار دے دیا گیا ہے'' اکبر مرحوم نے شاید اسی دن کیلئے کہا تھا

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانہ میں   کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانہ میں

اب فرمایئے کہ اگر گیلیسی ہمارا خضر بن جائے اور خضر راہ ہی راستے سے ہٹانے لگے تو صحیح رہنمائی کی توقع کس سے کی جا سکتی ہے (خطبہ لاہور ص ۶۶،۷۷)

دیکھا آپ نے مسٹر اور ملا کے بیانات میں کتنا فرق تھا اور ملا کس قدر بھرپور انداز میں مسلم لیگ کی مؤثر تائید میں تھا اور مسٹر مخالفت کے انتہائی درجہ پر کھڑا تھا اور حکومت کے نشہ میں سرشار اور مست ہو کر ہر طرح سے حاکمانہ انداز میں مسلم لیگ کی مخالفت کر رہا تھا ؏

ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

مسٹر پر بھی بیچارہ ''ملا'' ہی مطعون اور قابل گردن زدنی ہے، یہ ہمارے مسٹروں کی انصاف پسندی کی مثال ہے۔

سرحد میں سرخ پوشوں اور پنجاب میں خاکساروں کے لیڈر ''ملا'' تھے یا مسٹر کرام؟ اور کس حد تک مسلم لیگ کا ساتھ دے رہے تھے؟

پاکستان بننے کے بعد مخالف علماء نے بھی تائید کی

جب پاکستان بن گیا تو بڑے بڑے ''ملا'' مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ علانیہ پاکستان کی حفاظت کرتے نظر آئے ہیں اور علانیہ اس کی حفاظت کا درس دیتے رہے۔

حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ کا ارشاد گرامی

مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کو لکھا ''پاکستان ایک اسلامی ریاست کی حیثیت سے معرض وجود میں آ گیا ہے، اب یہ مسجد کے درجہ میں ہے اس کی حفاظت کرنا ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے''۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ

امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری مجلس احرار کے ممتاز رہنماؤں میں سے تھے، لاہور کے عظیم الشان جلسہ عام میں اعلان کیا کہ پاکستان ایک اسلامی مملکت کی حیثیت سے معرض وجود میں

آ گیا ہے اب اس کی حفاظت ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے، آئندہ کیلئے میں نے سیاسات سے کنارہ کشی کر لی ہے، جو حضرات صرف تبلیغ دین اور عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے کام کرنا چاہتے ہیں وہ میرے ساتھ آ جائیں اور جو سیاسات میں حصہ لینا چاہتے ہیں وہ مسلم لیگ میں شامل ہو کر ملک کی خدمت کریں

(کردار قائداعظم ص ۴۹۹ و ۵۰۰ مصنفہ منشی عبدالرحمٰن ملتان)

لمحہ فکریہ

جو لوگ پاکستان میں مکمل طور پر اسلامی نظام جاری نہ ہونے کی وجہ سے پاکستان کو اسلامی مملکت قرار نہیں دیتے بلکہ صرف ''مسلمان کی مملکت'' قرار دیتے ہیں ان کیلئے ان دونوں اکابر کے ارشادات میں غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ دونوں حضرات پاکستان کے وجود کو ''اسلامی مملکت'' کی حیثیت عطا فرما رہے ہیں، پھر اب ان حضرات سے بھی اختلاف کرنا کیا مناسب ہوگا۔

اور ظاہر ہے کہ جس وقت یہ ارشادات فرمائے جا رہے تھے اس وقت تو پاکستان کا قبلہ بھی درست نہیں ہوا تھا اور قرارداد مقاصد بھی اس وقت تک قومی اسمبلی میں پاس نہیں ہوئی تھی بلکہ پہلی قومی اسمبلی میں قائداعظم کی وہ متنازع فیہ تقریر بھی ہو چکی تھی جس سے پاکستان کا اسلامی مملکت ہونا اور بھی مشتبہ ہو گیا تھا مگر ان حضرات نے پھر بھی پاکستان کو ایک اسلامی ریاست اور اسلامی مملکت قرار دیا۔

یہ ارشادات اسی بنیاد پر صحیح ہو سکتے ہیں جبکہ یہ صحیح اصول تسلیم کر لیا جائے کہ کسی مملکت کے اسلامی قرار دینے کیلئے صرف مسلمانوں کا اقتدار اور اسلامی نظام کے اجراء کا اختیار رہنا بھی کافی ہے بالفعل اجرائے احکام شرط نہیں ہے جیسا کہ ہم نے ''تحریک پاکستان کی شرعی حیثیت'' میں تفصیل سے لکھا ہے۔

ہم ان دونوں ارشادات کو اپنی معروضات کی تائید میں پیش کر رہے ہیں، ان سے ہماری معروضات کی تائید واضح طور پر حاصل ہو رہی ہے۔

یہ آپ نے بڑے بڑے ''ملاؤں'' کے اقوال سنے، اب ذرا ایک نظر مسٹران کرام کے کردار کی طرف بھی کریں۔

مسٹران کا کردار

پاکستان بننے کے بعد نظام اسلام کے سلسلہ میں کئے گئے وعدوں کے ایفاء میں حسب عادت بہت دجل شروع کر دیا اور زیر زمین خوب چالیں چلائی گئیں اور بڑے بڑے حیلے بنائے گئے اور آپس

کے فرقہ وارانہ اختلافات کو ہوّا بنا کر پیش کیا گیا تا کہ اسلامی نظام سے چھٹکارا حاصل ہو سکے، مگر علامہ شبیر احمد عثمانی اور دوسرے علماء کرام کے سامنے ان حیلوں، بہانوں کی نہیں چلی اور قرار داد مقاصد منظور کرنی پڑی، نیز علامہ کی تجویز کے موافق ایک بورڈ علامہ سید سلیمان ندوی کی صدارت میں مقرر کیا گیا، اس کا نام تعلیمات اسلامی بورڈ رکھا گیا لیکن تعلیمات اسلامی کی سفارشات ارباب اقتدار کی طبع نازک پر گراں گزریں۔ لیاقت علی خان مرحوم نے لاء کمیشن مقرر کیا جسٹس رشید، جسٹس میمن اور سید سلمان رکن منتخب ہوئے، ماہر فقہ اسلامی کی حیثیت سے مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ کو بھی رکن اسلامی وشوری بنایا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے اسلامی دستور کا خاکہ مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا مناظر احسن گیلانی، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حیدرآبادی سے مرتب کرا کے حکومت کو پیش کر دیا۔

پھر ۱۹۵۱ء میں مولانا احتشام الحق تھانوی کی کوششوں سے ہر مکتب فکر کے ۳۱ نمائندہ علماء کرام نے ۲۲ نکات مملکت کیلئے بطور مسلمہ اصول اساسی متفقہ طور پر طے کر کے دے دیئے اور یہ عذر لنگ بھی ختم کر دیا کہ مختلف فرقوں کے اختلاف کی وجہ سے کس فرقہ کے موافق مملکت کا نظم بنایا جائے۔

علماء کی طرف سے ۱۹۵۱ء میں ہی یہ اصول حکومت کو دے دیئے گئے تھے اور فرقہ وارانہ اختلاف کے عذر لنگ کا بھی کوئی موقع نہیں رہا تھا، مگر پھر بھی ۱۹۵۶ء تک آئین پاکستان نہیں بنایا جا سکا، اس تاخیر میں کس ملا کا دخل تھا۔ یہ نو سال کیا مسٹران کرام نے اپنی اقتدار کی جنگ میں ضائع نہیں کئے؟

اس عرصہ میں کتنی وزارتیں بدلتی رہیں، ان میں کسی ''ملا'' کو وزیر اعظم بنایا گیا، پھر چوہدری محمد علی مرحوم کے دیئے ہوئے ۱۹۵۶ء آئین کے تحت الیکشن ہونے میں رکاوٹیں کس نے ڈالیں ملا نے یا مسٹران کرام نے اور گورنر غلام محمد ملا تھے یا مسٹر؟ جنہوں نے اسمبلی کو توڑا اور مولوی تمیز الدین مرحوم نے اس کے خلاف رٹ دائر کی تو کس عدالت پر سے کس ''ملا'' نے توڑنے کے حق میں فیصلہ کیا تھا اور اسمبلی کو ذبح کیا تھا۔ پھر صدر ایوب سکندر مرزا کے ذریعہ ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء لگا، یہ کس ملاء نے لگایا تھا، کیا یہ سب کچھ مسلم لیگ اور ملک کے مفاد میں تھا؟

اور کیا یہ مسٹران کرام کے ہی کارنامے نہیں تھے؟

صدر ایوب کی بنائی ہوئی کنونشن لیگ کی کوکھ سے مسٹر بھٹو کے ذریعہ پیپلز پارٹی نے ۱۹۶۸ء میں جو پہلے کنونشن لیگ کا جنرل سیکرٹری رہا تھا۔

مسٹر لیاقت علی خان شہید مرحوم اور سہروردی شہید میں سے آخر کون سے صاحب ''ملا'' تھے، یہ تو دونوں ہی ''مسٹر'' تھے، پھر چپقلش سے کس قدر پاکستان کو تقویت پہنچی ہوگی یہ مسٹران کرام ہی بتلا سکتے ہیں کہ ہم ''ملاؤں'' کا دماغ ایسی باریک حکمتوں اور محلاتی سازشوں تک نہیں پہنچ سکتا۔

اسی طرح پنجاب میں میاں محمد ممتاز خان دولتانہ اور نواب افتخار حسین ممدوٹ کا اختلاف کیا کسی ''ملا'' کا اختلاف تھا؟

اور کیا فرقہ وارانہ اختلافات تھے، ان میں سے کون سا شیعہ تھا؟ یا دیوبندی بریلوی تھا؟

یہ پاکستان کے پہلے وزیراعظم سے مرکزی اسمبلی میں رکن اسمبلی سردار شوکت حیات کی جھڑپیں ہی نہیں ہوتی تھیں بلکہ سردار صاحب نے ''مسلم لیگ'' سے علیحدہ ہوکر میاں افتخارالدین کے ساتھ مل کر ''آزاد پاکستان پارٹی'' بھی قائم کرلی تھی اور پنجاب کے وزیراعلیٰ نواب افتخار حسین ممدوٹ سے بھی علیحدگی اختیار کرلی تھی۔ ان میں سے معلوم نہیں کون صاحب ''ملا'' اور کون صاحب ''مسٹر'' تھے؟ اور ان کے اختلافات کی بنیاد کون سا فرقہ وارانہ اختلاف تھا؟

سابقہ مشرقی پاکستان میں تلہ کیس اور چھ نکاتی فارمولا کا بانی شیخ مجیب الرحمٰن ''ملا'' تھا یا مسٹر تھا، پھر ۱۹۷۰ء کے الیکشن کے نتائج کو قبول نہ کرنا اور ادھر ہم اُدھر تم کا نعرہ لگانے والا کتنا بڑا ''ملا'' تھا؟ اور یحییٰ خان تو شاید بہت ہی بڑا ''ملا'' ہوگا جس کی سازش اور بھٹو کی ملی بھگت سے ملک دولخت ہوگیا اور قائداعظم کے پاکستان کے دو ٹکڑے کرکے ایک بڑے حصہ کو پاکستان سے کاٹ دیا گیا۔

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

ناظرین کرام نے ہماری مختصر مگر مبنی برحقیقت معروضات سے ذہن نشین کرلیا ہوگا اور چیدہ چیدہ واقعات ان کے سامنے آگئے ہوں گے اور یہ واضح ہوگیا ہوگا کہ تحریک پاکستان اور بعد میں تعمیر پاکستان کے سلسلہ میں مسٹر اور ملا کا کردار کیا رہا ہے؟

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ مسٹروں و ملا (علماء) دونوں ہی نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا تھا اور دونوں ہی نے اس سے اختلاف بھی کیا تھا، مگر پاکستان بننے کے بعد اس کی سلامتی اور تحفظ کی ان علماء کرام نے بھی ہدایت کی تھی جن کو اس تحریک سے اختلاف رہا تھا، سیاسی طور پر بھی علماء کرام نے پاکستان کی تعمیر

میں خدمات انجام دیں اور مذہبی طور پر بھی اسلامی قانون سازی میں نہایت درجہ محنت ومشقت برداشت کی اور آئین کی تدوین میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

مگر افسوس ہے حضرات علماء کرام کی ایسی مخلصانہ خدمات کو قبول تو کیا کرنا تھا ان مسٹران کرام نے جو اس وقت اقتدار کی اس کرسی پر براجمان تھے جس کے حاصل ہونے میں باعتراف قائداعظم اور قائد ملت لیاقت علی خان بہت بڑا احسان ''ملاؤں'' کا بھی تھا، توجہ بھی نہیں کی۔

یہ پاکستان علماء کرام (ملاؤں) اور مسٹران باوقار کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ اور پوری قوم مسلم کی مساعی کا ثمرہ ہے، اس کو صرف مسٹران کرام کی جدوجہد کا ثمرہ سمجھنا تاریخ سے ناواقفیت یا غلط واقفیت کا نتیجہ ہے۔

البتہ اس کی تخریب اور اس کے دولخت کرنے میں لیڈران عظام ہی کی انانیت اور ہوس اقتدار کا پورا پورا دخل ہے، اس میں کوئی ''ملا'' شامل معلوم نہیں ہوتا۔

فرقہ وارانہ اختلافات کو ہوا بنا کر پیش کیا جاتا ہے مگر کسی فرقہ کی بنیاد پر پاکستان کی تقسیم نہیں ہوئی، اب بھی صوبائی تعصبیات کی ہوا بلکہ آندھی چل رہی ہے، اس میں کسی فرقہ وارانہ اختلاف کا کیا دخل ہے؟

کیا کسی فرقہ نے کسی حصہ کی علیحدگی کا مطالبہ کیا ہے، کیا سرحد میں پختونستان اور سندھ میں جے سندھ کا نعرہ کسی ''ملا'' نے لگایا ہے، کیا عبدالغفار خان یا جی ایم سید کسی دینی درسگاہ کے سند یافتہ تھے؟ اور بلوچستان اور پنجاب میں بلوچ صوبہ کا مطالبہ کون کر رہا ہے۔ فرقہ وارانہ اختلاف سے ملک میں اس وقت نقصان پہنچتا ہے جب اس کو سیاسی لوگ استعمال کرتے ہیں اور اپنے مقاصد کیلئے آلہ بناتے ہیں، ورنہ اگر ہر فرقہ اپنی اپنی حدود میں رہے اور ایک دوسرے کی حد میں مداخلت نہ کرے اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے اصول پر عمل کریں کہ ''اپنی بات کو چھوڑو نہیں دوسروں کو چھیڑو نہیں'' تو پھر جنگ، جدال کی نوبت ہی نہیں آسکتی اور فرقہ وارانہ اختلاف سے نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان حقیقتوں کے سمجھنے اور صحیح اصولوں پر عمل اور تلافی مافات کی توفیق عطا فرمائیں، پاکستان کے استحکام اور اس کے نظریات کی حفاظت کرنے کی توفیق بھی عنایت فرمائیں، امین بحرمة سید المرسلین صلی اللّٰہ علیه وعلی اله واصحابه اجمعین۔

اندکے با تو گفتم غم دل ترسیدم — کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

مولانا محمد محسن خانیوال

مسائل قربانی

عشرہ ذوالحجہ کے فضائل

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے عشرہ ذوالحجہ سے بہتر کوئی زمانہ نہیں، ان میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور ایک رات کی عبادت کرنا شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ چونکہ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ سے تیرہویں تاریخ تک چار یوم کا روزہ رکھنا حرام ہے لہٰذا روزہ رکھنے کی یہ فضیلت نویں تاریخ تک کیلئے ہے۔ ذوالحجہ کی نویں تاریخ کا روزہ رکھنے کا ثواب دو سال کے روزوں کے برابر ہے اور ایک حدیث کے مطابق عرفہ کا روزہ رکھنے والے کے دو سال کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

تکبیر تشریق

عرفہ یعنی نویں ذوالحجہ کی صبح سے تیرھویں کی عصر تک ہر نماز کے بعد آواز بلند ایک مرتبہ تکبیر تشریق پڑھنا واجب ہے، جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے اور مقیم و مسافر اس میں برابر ہیں، اسی طرح مرد و عورت دونوں پر واجب ہے البتہ عورتیں آہستہ کہیں۔ تکبیر تشریق یہ ہے:

اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر لَآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

قربانی کی عظمت و فضیلت

قربانی ایک اہم اور بڑی بابرکت عبادت ہے اور شعائر اسلام میں سے ہے احادیث کے اندر اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قربانی کے بدن پر جتنے بال ہیں ہر بال کے بدلے ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ذبح کرتے وقت جو قطرہ زمین پر گرتا ہے اس کے گرنے سے پہلے ہی اللہ کے پاس مقبول ہو جاتا ہے، تو خوب خوشی سے اور دل کھول کر قربانی کرو۔

قربانی کس پر واجب ہے؟

قربانی ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہو یعنی جس کے پاس ساڑھے باون تولہ

چاندی یا اس کی قیمت ہو یا اتنی قیمت کا مال تجارت ہو یا اس پر زکوٰۃ تو واجب نہیں لیکن ضروری اسباب سے زائد اتنی قیمت کا مال و اسباب ہے جتنی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے تو اس پر بھی قربانی اور صدقہ واجب ہو جاتے ہیں اور قربانی کے اس مذکورہ نصاب پر سال کا گذرنا ضروری نہیں بلکہ قربانی کے دنوں میں جس وقت بھی کسی مسلمان مرد و عورت، عاقل بالغ مقیم کے پاس قربانی کا نصاب ملک میں آ جائے گا تو اس پر قربانی واجب ہو جائے گی۔ جتنے مال پر صدقہ فطر واجب ہوتا ہے اتنے مال ہونے پر بقرہ عید کے دنوں میں قربانی کرنا بھی واجب ہے اور اگر اتنا مال نہ ہو تو اس پر قربانی کرنا تو واجب نہیں لیکن اگر پھر بھی کر دے تو بہت ثواب ہے۔

قربانی کے چند متفرق اور اہم مسائل

(1) قربانی کے دنوں میں جانور کے ذبح کرنے سے ہی قربانی ادا ہوتی ہے جانور کے زندہ صدقہ کرنے یا اس کی قیمت خیرات کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوتی (2) مسافر شرعی جو 77 کلومیٹر کی مسافت کے ارادہ سے سفر شروع کر چکا ہو اس پر قربانی واجب نہیں ہے (3) قربانی جس طرح مردوں پر واجب ہوتی ہے اگر کسی عورت کی ملکیت میں اتنا مال ہو جس پر قربانی واجب ہوتی ہے تو عورت پر بھی قربانی واجب ہے (4) خصی جانور کی قربانی درست بلکہ افضل ہے (5) مستحب یہ ہے کہ قربانی کے جانور میں جائز عیبوں میں سے بھی کوئی عیب نہ ہو (6) مستحب یہ ہے کہ قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرے اور اگر خود ذبح نہ کر سکے تو دوسرے کو حکم کرے اور خود ذبح کے وقت حاضر رہے اگر وہاں کوئی غیر محرم نہ ہو تو عورت کو بھی اپنی قربانی کے پاس کھڑا ہونا مستحب ہے (7) مرتد، زندیق اور قادیانی کا ذبیحہ حرام ہے ان سے ذبح نہ کرائیں نہ قربانی کے موقع پر اور نہ ہی کسی اور وقت (8) اہل تشیع جن کے عقائد کفر کی حد تک پہنچے ہوئے ہوں ان کا ذبیحہ حرام ہے ایسے لوگوں کو قربانی میں شامل نہ کیا جائے ورنہ کسی کی قربانی بھی درست نہ ہوگی (9) مدارس اسلامیہ کے طلبہ چرم قربانی اور فروخت کر دینے کی صورت میں اس کی قیمت کیلئے بہترین مصرف ہیں کہ اس میں صدقہ کا ثواب بھی ہے اور علم دین کا احیاء بھی مگر کسی خدمت اور معاوضہ میں اس کا دینا جائز نہیں (10) چرم قربانی اور اس کی قیمت سے مساجد اور رفاہ عامہ، مسافر خانہ، ہسپتال، سڑک وغیرہ پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے (11) جو جانور کسی کو حصہ میں پرورش کیلئے دیا گیا ہو تو یہ جانور اس پرورش کرنے والے کی ملک نہیں ہے اس لئے اس کو پرورش کرنے والے

سے نہ خریدا جائے بلکہ اصلی مالک سے خریدا جائے (12) ذبح کرنے والے کو ذبح کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا سنت مؤکدہ ہے اس کا ترک بغیر عذر کے مکروہ ہے (13) قربانی کی نیت صرف دل سے کرنا کافی ہے زبان سے کہنا ضروری نہیں البتہ ذبح کے وقت بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہنا ضروری ہے (14) بہتر یہ ہے کہ جانور کو قبلہ رخ لٹا کر پہلے یہ دعا پڑھے اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ، اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ ۔ پھر بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر ذبح کرے اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّیْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ وَّخَلِيْلِكَ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ (15) چرم قربانی کی قیمت کو مسجد کی مرمت پر لگانا یا مزدوری میں دینا جائز نہیں بلکہ خیرات کرنا ضروری ہے (16) قربانی کی کھال فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت کا زکوٰۃ کے مستحق افراد کو دینا واجب ہے لہٰذا اپنی بیوی، ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، بیٹا، بیٹی وغیرہ جن کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ان کو یہ رقم دینا جائز نہیں ہے اسی طرح بیوی بھی اپنے خاوند کو چرم قربانی کی قیمت نہیں دے سکتی (17) جو مسلمان مرد و عورت اتنے مال کا مالک ہو جس پر قربانی واجب ہوتی ہے جب تک اتنا مال اس کی ملکیت میں رہے گا اس پر ہر سال قربانی واجب ہوگی صرف ایک سال قربانی کر دینا کافی نہیں ہے (18) اگر کئی بھائی مشترک کاروبار کرتے ہوں اور ان کا کھانا پینا اور اخراجات بھی مشترک ہوں تو جو کچھ مال اس مشترک کاروبار سے حاصل ہوا اس میں سے اگر ہر بھائی کے حصہ میں اتنا مال آتا ہو جس پر قربانی واجب ہوتی ہو تو ہر بھائی کے ذمہ جدا جدا قربانی واجب ہوگی اور اگر اتنے مال سے کم حصے میں آتا ہو تو کسی کے ذمہ بھی واجب نہیں ہے (19) اگر والد کی موجودگی میں اس کے ساتھ شریک ہو کر کئی بیٹے کاروبار کرتے ہوں اور کھانا پینا سب کا ایک جگہ ہو تو کل مال والد کا ہوگا اور اسی کے ذمہ قربانی واجب ہوگی، ہاں اگر کسی بیٹے کی ملکیت میں کسی اور ذریعہ سے بقدر نصاب ہو تو اس بیٹے یا اس بیٹے کی بیوی پر علیحدہ قربانی واجب ہوگی (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۳۰ ج۲) (20) قربانی کا جانور اگر شہر میں ہے تو پھر چاہے قربانی کرنے والا گاؤں میں ہو تو عید کی نماز سے پہلے ذبح کرنا درست نہیں۔ اور اگر قربانی کا جانور گاؤں میں ہو تو اس کا نماز عید سے پہلے صبح صادق کے بعد ذبح کرنا جائز ہے (21) اگر کسی شخص کا حصہ اس کی اجازت کے بغیر مقرر کر لیا گیا ہو تو اگر ذبح کرنے سے پہلے اس کی

اجازت حاصل کرلی گئی تب تو قربانی درست ہوجائے گی ورنہ دوسرے حصہ داروں کی قربانی بھی صحیح نہ ہوگی ، ہاں اگر اس کی طرف سے قربانی کر کے ثواب پہنچانا چاہے تو اس کی اجازت کی ضرورت نہیں دوسرے کی طرف سے واجب قربانی ادا ہونے کیلئے اس کی اجازت شرط ہے (22) اگر قربانی کے تین دنوں میں خرید کر جانور کو قربانی کیلئے متعین کردیا گیا ہو اب اس کے بدلے میں دوسرا جانور اتنی ہی قیمت سے خرید کر قربانی کرنا بھی مکروہ ہے اور اگر اسے کم قیمت پر خریدا ہو تو باقی رقم صدقہ کرے (23) قربانی خریدتے وقت قربانی کی نیت کی مگر ذبح بغیر نیت کے کردیا تو قربانی ہوجائیگی خریدتے وقت جو نیت تھی وہی کافی ہے (24) اگر جانور کا فروخت کرنے والا اس کی عمر پوری بتلاتا ہے اور ظاہری حالات اس کے بیان کو جھٹلاتے نہیں تو اس کا اعتبار کرلینا جائز ہے (25) حاملہ جانور کی قربانی درست ہے ،البتہ جو جانور بچہ دینے کے قریب ہو اس کو ذبح کرنا مکروہ ہے (26) قربانی کرنے والے نے ذبح کرنے والے کے ساتھ چھری ہاتھ میں پکڑی اب ذبح کے وقت ان دونوں میں سے اگر ایک نے بھی دانستہ بسم اللہ چھوڑدی تو جانور حرام ہوجائے گا (27) کسی نے میت کو ثواب پہنچانے کیلئے اپنے مال میں سے قربانی کی تو اس گوشت میں سے کھانا اور کھلانا تقسیم کرنا سب درست ہے، اگر میت کی وصیت پر اس کے ترکہ میں سے قربانی کی گئی ہو تو اس قربانی کے تمام گوشت وغیرہ کا خیرات کردینا واجب ہے (28) قربانی کی کھال اور گوشت وغیرہ سے قصاب کو اجرت دینا منع ہے (29) ایسے دبلے کمزور جانور کی قربانی ناجائز ہے جس کی ہڈی میں گودا نہ رہا ہو اگر اتنا کمزور نہ ہو تو جائز ہے (30) بعض لوگ چرم قربانی کی قیمت بیوہ عورتوں کو دے دیتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ ان کے پاس سونا چاندی کا زیور یا نقدی تو بقدر نصاب نہیں ہے ، اسی طرح یہ دستور ہے کہ اس کی قیمت کو بہنوں وغیرہ کا حق سمجھا جاتا ہے اور مالدار بہنوں بیٹیوں کو دے دیتے ہیں یہ درست نہیں البتہ بیوہ عورت یا بہن اگر غریب ہو تو اس کو دے سکتے ہیں ۔

دعاءِ مغفرت کی درخواست

جامعہ حقانیہ کے صدر مدرس مولانا محمد ظفر اللہ صاحب کے چچا و خسر محترم کا ۸/ ذوالقعدہ بروز پیر کو انتقال ہوگیا اناللہ وانا الیہ راجعون قارئین کرام سے ان کی مغفرت اور رفع درجات کیلئے دعاء کی درخواست ہے ۔

یادرفتگاں جناب سید شمشاد حسین صاحب جھنگ

ایک سایہ تھا جو اٹھ گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قائد اہل سنت، وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب قدس سرہ سے حضرت مولانا سید محمد امین شاہ صاحب مخدوم پوری ہوڑاں کا نام بار بار سنا تھا مگر زیارت نہ ہوئی تھی، اشتیاق بہت تھا، غالباً ۱۹۷۸ء بھیں سنی کانفرنس پر ایک سفید ریش بزرگ نے تقریر فرمائی، کھری کھری باتیں کیں اور تاریخی حوالوں سے بڑے بڑوں کے پول کھولے۔ کھدر کا کرتہ شلوار، سر پر کھدر کی ٹوپی اور کھدر ہی کی چادر، باتوں میں تلوار کی سی کاٹ، صحابہ اور اہل بیت کے شیدائی، عقائد اہل سنت کے ترجمان، ختم نبوت کے پروانے، خارجیت اور رافضیت سے بیزاری، مماتیت اور مادیت سے نفرت، یہ تھے مخدوم العلماء حضرت مولانا سید محمد امین شاہ صاحب بخاری۔

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے

دوران تقریر حضرت شاہ صاحب نے کافی متاثر کیا تھا، تقریر کے بعد حضرت کی مجلس میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا، برادرم ماسٹر منظور حسین صاحب بھی میرے ہمراہ تھے، بہت خلوص اور محبت سے ملے، بڑی شفقت فرمائی اور کھل کر باتیں ہوئیں، ایسا لگا جیسے مدتوں سے واقفیت ہو۔ سادہ زندگی، سادہ گفتگو، باتوں میں مٹھاس اور اکابرین کا انداز، لباس سے گفتگو تک ہر بات اچھی لگی۔

تیرا پیکر، تیری خوشبو، تیرا لہجہ، تیری بات دل کو تیری گفتگو کی سادگی اچھی لگی

قائد اہل سنت، وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب قدس سرہ سے بے پناہ محبت تھی، ان کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کرتے، فرمایا کہ یہ ایک شخص ہے جسے میں نے لڑکپن، جوانی اور بڑھاپے میں دیکھا مگر ایک سا پایا لڑکپن کا زمانہ تھا ہم لوگ لاہور میں زیر تعلیم تھے، اس زمانہ میں طالب علم دنیا بھر کی باتیں کرتے ہیں، ہنستے ہیں، لطیفے سناتے ہیں، گپ لگاتے ہیں مگر حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ اس زمانہ میں بھی خاموش اور کم گو تھے، جیسے ان پر کوئی غم سوار ہو اور وہ کچھ کر گزرنے کا جذبہ رکھتے ہوں، کئی بار ایسا ہوتا کہ ٹونٹیوں پر میں وضو کر رہا ہوتا قاضی صاحب آجاتے، سلام کے بعد

صرف اتنا پوچھتے ''کیا اذن ہوگئی ہے؟'' اور جب کبھی ساتھی ان کے گرد جمع ہو جاتے تو وہ ایسی درد بھری باتیں کرتے جن سے سب ساتھی پرنم ہو جاتے۔

دردمیں لذت بہت، اشکوں میں رعنائی بہت　　اے غم ہستی ! تری دنیا پسند آئی بہت

اس کے بعد حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ سے کئی بار ملاقاتیں اور مجلسیں ہوئیں، ہر بار مختلف موضوعات زیر بحث آتے۔ ایک مجلس میں فرمایا کہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ نے ہمیں پچیس ہزار اسم ذات کا ذکر تعلیم فرمایا اور یہ ابتدائی دنوں کی بات ہے (انتہائی خدا جانے) یہ وہ حضرات تھے جو جلوت میں بھی خلوت کے مزے لوٹتے تھے۔

شہر سو جاتا ہے لیکن کو بجتا رہتا ہے دل　　اس ہجوم یاد کو میں کیسے تنہائی کہوں

۱۹۸۰ء میں جامعہ خیر المدارس ملتان کی طرف سے ایک عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں ملک بھر سے جید علمائے کرام کو مدعو کیا گیا تھا، اس جلسے میں قائد اہل سنت حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کا بھی تفصیلی بیان ہوا تھا، اس موقع پر فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ بھی موجود تھے، حضرت مولانا سید محمد امین شاہ صاحب رحمہ اللہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے کمرہ میں تشریف لائے، احقر بھی موجود تھا، دونوں بزرگوں کی محبت اور ایک دوسرے کا احترام دیدنی تھا، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ عمر میں بڑے تھے مگر اس کے باوجود میں نے دیکھا کہ وہ دوزانو ہو کر بیٹھے رہے جبکہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا بھی یہی حال تھا۔

حضرت شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جس کو لوگ شیخ القرآن کہتے تھے اس کی تفسیر پر گرفت کرنے والے اس بزرگ کو میں سلام عقیدت پیش کرتا ہوں، حضرت ترمذی صاحب کا پوری امت پر یہ احسان عظیم ہے کہ انہوں نے اپنے اور غیروں کی پرواہ کیے بغیر اس بڑے فتنہ سے قوم کو آگاہ کیا اور ''ہدایۃ الحیران'' جیسی حیران کن کتاب لکھ کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ان کا ناطقہ بند کر دیا۔ فرمایا کہ اختلاف تو دوسرے علماء بھی کرتے تھے مگر میدان میں آکر آمنے سامنے اپنے حصہ کا جو کام حضرت مفتی صاحب نے کیا وہ انہی کا حصہ تھا۔

اندھیروں کو برا کہنے سے کچھ نہیں ہوگا　　اپنے حصے کا دیا خود ہی جلانا ہوگا

بہت عرصہ سے یہ جی چاہتا تھا کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے در دولت پر حاضری دے کر نیاز حاصل کی جاوے، سعودی عرب سے واپسی کے بعد ایک موقع پر عزیز القدر مفتی سید عبدالقدوس

ترمذی زیدمجدہم کو اسی علاقے میں تبلیغی سفر پیش آیا تو انہوں نے میری خواہش کے پیش نظر مجھے ساتھ چلنے کا فرمایا اور یوں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی زیارت اور ملاقات کا موقع نصیب ہوا، یہ ملاقات کافی عرصہ کے بعد ہوئی تھی مگر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے دیکھتے ہی پہچان لیا اور بڑی شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرا اور بے انتہا خوشی کا اظہار فرمایا، ہم دونوں کو اپنے قریب بٹھایا اور دونوں کی داڑھیوں میں ہاتھ پھیرتے رہے اور باتیں کرتے رہے، کبھی ہنستے کبھی روتے۔ فرمایا کہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ جیسے استاد اور شیخ ملے، قطب دوراں پیر جی حضرت خورشید احمد رحمہ اللہ جیسے بزرگوں کی سرپرستی نصیب ہوئی اور قائد اہل سنت حضرت قاضی مظہر حسین صاحب قدس سرہ کی رفاقت میں وقت گزرا، اپنی ساری زندگی ان کی نذر کردی اور اسی میں لطف نصیب ہوا۔

جب سے تیرے نام کردی زندگی اچھی لگی تیرا غم اچھا لگا، تیری خوشی اچھی لگی

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ صاحب فراش تھے اور گھر کے کمرہ میں آرام فرما تھے اس لئے ہمیں بھی اپنے پاس اندر ہی بلالیا، یوں پہلی بار حضرت کے گھر کو اندر باہر سے دیکھنے کا موقع ملا، سادہ کمرے، نیچی چھت، کچا پکا فرش، دو، چار برتن۔

ایک کوزہ، اک عصا، اک خرقۂ گل کے سوا ہم فقیروں نے کسی نعمت کو گھر رکھا نہیں

دوران گفتگو کتاب ''تذکرہ حضرت مدنی'' جو فقیہ العصر حضرت ترمذی رحمہ اللہ نے لکھی ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ترمذی صاحب نے حضرت شیخ مدنی قدس سرہ کے حالات زندگی پر روشنی ڈالنے کا حق ادا کردیا ہے۔ فرمایا کہ حضرت مدنی پر اور لوگوں نے بھی لکھا ہے مگر انہوں نے حضرت مدنی پر کم لکھا اور اپنے کو زیادہ نمایاں کیا جبکہ مفتی صاحب کی کتاب میں صرف اور صرف حضرت مدنی رحمہ اللہ کا ذکر ہے، مفتی صاحب کا نام کہیں ڈھونڈنے سے نہیں ملتا۔ مفتی صاحب رحمہ اللہ جس موضوع پر لکھتے تھے خوب لکھتے تھے پھر ٹھنڈی سانس بھر کر فرمایا مگر افسوس! کہ وہ بھی ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔

اک شخص ٹوکتا تھا بہت اہل شہر کو مژدہ کہ آج رات وہ خاموش ہوگیا

اور پھر ایک سال بعد دوبارہ عزیز القدر مفتی سید عبدالقدوس ترمذی سلمہ کی معیت میں حاضری نصیب ہوئی، وہی شفقتیں وہی خدمتیں اور وہی توجہات، اسلاف کے تذکرے اور دل ہلادینے والی باتیں۔ حضرت شاہ صاحب پوری صدی پر محیط ایک زندہ تاریخ تھے، آپ کی باتوں میں ایسا درد اور

سوز پنہاں تھا کہ سو بار ملنے کے بعد بھی اک تشنگی محسوس ہوتی تھی، آپ کی یادیں ہمیشہ محفوظ رہیں گی۔

رفتہ رفتہ بھول جائیں گے سفر کی داستاں مدتوں لیکن ہمیں کچھ راہ گزر یاد آئیں گے

ہر تحریک اور ہر جماعت میں کچھ ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جن کے دم قدم سے ان جماعتوں کی رونق اور عظمت نمایاں ہوتی ہے، حضرت شاہ صاحب کی ذات والا صفات انہی ہستیوں میں سے ایک تھی، خاص طور پر قائد اہل سنت قدس سرہ کے بعد آپ ہی کی سرپرستی میں یہ جماعت قدم بقدم پر کامیابیاں حاصل کر رہی تھی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ سچا عاشق اسی راہ پر گامزن تھا، اپنا سب کچھ جماعت کی نذر کر دیا تھا۔

عشق کرنا ہے تو پھر سارا اثاثہ لائیں اس میں تو کچھ بھی پس انداز نہیں کر سکتے

یہی وجہ تھی کہ علمائے امت کشاں کشاں اس چھوٹے سے قصبہ کی طرف رواں دواں تھے اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی زیارت و ملاقات سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا اور دلوں کو مسرور کرتے تھے، ان علمائے امت میں قائد وفاق المدارس حضرت مولانا شیخ سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم اور مجاہد اسلام حضرت مولانا قاری محمد حنیف صاحب مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان و جنرل سیکرٹری وفاق المدارس العربیہ پاکستان جیسی ہستیاں بھی شامل ہیں، اس لئے اہل مخدوم پور اور خاص طور پر جانشین صاحبزادہ حضرت مولانا محمد معاویہ امجد صاحب زید مجدہم زبان حال سے کہہ سکتے ہیں۔

خانۂ بے چراغ بھی سب کی نظر میں آ گیا تیرے قیام کے طفیل ہم بھی تو باشرف ہوئے

یقیناً حضرت شاہ صاحب کو یہ مقام رب کائنات کی یاد اور ذکر و شکر کے سبب نصیب ہوا، اپنی یاد کرنے والوں کو اللہ پاک اسی طرح نوازتے ہیں، کچے مکانوں اور کٹیا میں رہنے والے درویشوں کو یونہی ظاہر فرماتے ہیں۔

دیکھ ہماری دید کے کارن کیسا قابل دید ہوا ایک ستارہ بیٹھے بیٹھے تابش میں خورشید ہوا

ایک مجلس میں ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کا ذکر آیا تو فرمایا کہ خیر المدارس کے مہتمم و بانی حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ مجھ پر بہت اعتماد فرماتے تھے، ہم بھی ان کے بے دام غلام تھے، اس وقت کے حکمرانوں نے آٹھ یا نو علمائے کرام کی پھانسی کا حکم صادر کرنا چاہا، حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ نے رازداری کے ساتھ ان مجاہد علمائے کرام کے اسماء گرامی مجھے بتلائے، ان ناموں میں ایک نام مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کا بھی تھا، میں سنتے ہی سائیکل

پر سوار ہوا اور حضرت جالندھری رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوری صورت حال بیان کی۔

کیسے کیسے موڑ آئے راہ میں ساتھ چلتے تو تماشا دیکھتے

فرمایا کہ ختم نبوت کی جماعت میں مولانا جالندھری حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے دست راست اور وفادار جرنیل تھے جنہوں نے خاتم الرسل سید الکونین ﷺ کی ختم نبوت کیلئے ہر قربانی دے کر وفاداری کا حق ادا کیا۔

تذکرہ جب وفا کا ہوتا ہے میں تمہاری مثال دیتا ہوں

فرمایا کہ میرے کئی خیر خواہ مجھے سمجھاتے کہ تم ہمیشہ مشکل کاموں میں اپنی جان پھنساتے ہو کبھی ختم نبوت کی تحریک میں، کبھی مماتیت کے محاذ پر، کبھی خدام کے پرچم تلے، ایک دیہات میں بیٹھے ہو آرام سے بیٹھے رہو، بھلا ان خیر خواہوں کو کون سمجھائے۔

مجھے سمجھانے والے کاش پہلے خود سمجھ لیتے بڑی دیوانگی ہے ایک دیوانے کو سمجھانا

فرمایا شیطان، نفس اور کمزور لوگ موت سے ڈرتے ہیں مگر اللہ والے کبھی موت سے نہیں ڈرتے، موت تو ایک پل ہے جس سے گزر کر اللہ پاک کی زیارت نصیب ہوگی پیارے حبیب ﷺ، اہل بیت عظام، مجاہد صحابہ کرام اور اولیاء اللہ کا قرب نصیب ہوگا، جنت کے مزے لوٹیں گے پھر موت سے کیوں ڈریں، خاص طور پر ہمارے اکابرین نے تو ہمیشہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے للکارا ہے۔

موت کی دھمکیاں نہ دو مجھ کو موت کیا زندگی نہیں ہوتی

۲۶ر اکتوبر بروز جمعۃ المبارک ۱۱ بجے فون کی گھنٹی بجی، فون پر برادر عزیز ماسٹر منظور حسین صاحب تھے جو لرزتے ہوئے انداز میں بتلا رہے تھے کہ لو آج حضرت مولانا سید محمد امین شاہ صاحب کا سایہ بھی ہمارے سروں سے اٹھ گیا، وہ اللہ کو پیارے ہوگئے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کے بعد میں نے کہا کہ آپ جھنگ آجائیں یہاں سے مل کر چلیں گے، چنانچہ ماسٹر صاحب عشاء کے بعد ۸ بجے کے قریب جھنگ پہنچ گئے، برخوردار مولوی محمد رمضان صاحب بھی سرگودھا سے جھنگ میرے پاس آگئے تھے، رات کو ایک بجے کے قریب ہم لوگ کبیر والا کیلئے بس پر سوار ہوئے، تین بجے سے قبل ہی ہم لوگ کبیر والا کے اڈہ پر پہنچ گئے، ٹیکسیاں تیار کھڑی تھیں مخدوم پور پہوڑاں کیلئے روانہ ہوئے، چند ہی منٹوں کے بعد یعنی ۳ بجے ہم لوگ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی مسجد میں موجود تھے، مسجد پہلے ہی

مہمانوں سے بھر پور تھی ، یہ سبھی حضرات اپنے درویش صفت بزرگ اور شیخ کو آخری بار خراج عقیدت پیش کرنے آئے تھے اور احساس جدائی میں یوں کہہ رہے تھے

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو　　تم ڈھونڈ نے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

لوگ تہجد کے نوافل پڑھ رہے تھے، کچھ گردنیں جھکا کر مراقب تھے کہ فجر کی اذان کی صدا گونجی سنتیں ادا کی گئیں اور امامت کیلئے حضرت شاہ صاحب کے خلیفہ مجاز ، جامعہ اشرفیہ لاہور کے صدر مفتی ، عالم باعمل ،صوفی کامل حضرت مولانا قاری مفتی شیر محمد صاحب علوی دامت برکاتہم کو آگے بڑھایا گیا ، انہوں نے لحن داؤدی میں قراءت قرآن سے سینوں کو منور کیا ، صبح کا وقت اور یہ پرسوز آواز عمر بھر یاد رہے گی۔

نماز کے بعد خدام کے مرد قلندر ، بے لوث ہستی حضرت مولانا شاہ محمد صاحب مہتمم مدرسہ قاسمیہ لاہور خلیفہ مجاز حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے درس قرآن پاک دیا جس میں ایمان ویقین کے موضوع پر ایمان افروز بیان ہوا ، دوران درس آپ نے فرمایا کہ بدر کے میدان میں ایک ہزار خونخوار درندے جو زرہوں اور اسلحہ سے لیس تھے اسلام کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مٹانے کی خاطر آئے تھے حضور خاتم الانبیا ﷺ اپنے ۳۱۳ نہتے جانثاروں کو لے کر پہلے سے موجود تھے، مقابلہ ہوا ایمان ویقین کی دولت اور اللہ کے حبیب کی دعاؤں کے صدقے مجاہدین اسلام صحابہ نے ایسا کارنامہ سرانجام دیا جس نے تاریخ کے دھارے بدل دیئے ، مگر افسوس ! آج ڈیڑھ ارب مسلمان دنیا میں موجود ہیں ، اسلحہ اور سامان بھی موجود ہے مگر ذلت و رسوائی سے دوچار ہیں ۔فرمایا کہ ہمیں وہی ایمان ویقین کی قندیلیں روشن کرنا ہوں گی ، اسلاف کا وہی اسوہ اپنانا ہوگا پھر نصرت خداوندی کے مظاہرے بھی اسی طرح ظاہر ہوں گے۔

اساس عزم وعمل بدر وخیبر وخندق　　روش سلف کی یہی راستہ دکھاتی ہے

فرمایا کہ آج ہم جس بزرگ کا نماز جنازہ پڑھنے آئے ہیں ان کی پوری زندگی سنت کے مطابق گزری ہے، فنافی اللہ اور بقاباللہ کے مقام پر پہنچ کر اپنا سب کچھ ان کی رضا پر فدا کر چکے تھے۔

میرا مجھ میں کچھ نہیں جو کچھ ہے سو تیرا　　تیرا تجھ کو سونپ دیں کیا لاگے ہے میرا

درس قرآن کے بعد سب مہمانوں کو ناشتہ دیا گیا ، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے جسد خاکی کو مسجد کے اس حصہ میں رکھ دیا گیا تھا جہاں پہلے سے چند قبریں موجود تھیں ، لوگ جوق در جوق آرہے تھے اور زیارت کر رہے تھے ۔ملک کے دور دراز حصوں سے قافلے آرہے تھے ، قصبہ ساہیوال اور سرگودھا

سے عزیز القدر مفتی سید عبدالقدوس ترمذی، مفتی حبیب اللہ، مفتی محمد محسن اور دیگر حضرات کا قافلہ نے پہنچا تھا، اسی طرح گجرات سے حضرت مولانا خان عبدالحق خان بشیر مدظلہ اپنے قافلہ کے ہمراہ تشریف لائے تھے، اٹک سے جامع مسجد کے خطیب اور بزرگ تشریف لائے، جھنگ سے جامعہ محمودیہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مدظلہ موجود تھے۔ اسی طرح سوگواروں میں امیر خدام اہل سنت حضرت مولانا قاضی ظہور حسین صاحب اظہر مدظلہ، حضرت مولانا قاری خبیب احمد عمر دامت برکاتہم، شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب خلیفہ مجاز قائد اہل سنت سندھ سے تشریف لائے تھے۔ حضرت مولانا قاری جمیل الرحمٰن صاحب، عزیز القدر مولانا حافظ زاہد حسین رشیدی اور حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کے لخت جگر مولانا عبدالرشید اور حافظ عبدالوحید صاحب، یہ سب حضرات رات کے مختلف حصوں میں پہنچ چکے تھے۔ اور پھر آٹھ بجے کے بعد وہ گھڑی بھی آن پہنچی جب شاہ جی رحمہ اللہ کی چارپائی کو اٹھایا گیا، یہ وہ شاہ جی تھے جن کو ل کر دل کے دکھڑے سنایا کرتے تھے اور وہ ان زخموں پر مرہم لگایا کرتے تھے۔

دھو دیا کرتا تھا جو اک نام دل سے سب ملال　　　کیا خبر تھی آئے گا اس نام پر رونا بہت

آپ کے سب خلفا طریقت وخدام اپنے شیخ کے انتخاب پر بطور شکریہ کے یوں گنگنا رہے تھے

اپنے اپنے حوصلے، اپنی اپنی طلب کی بات ہے　　　چن لیا ہم نے تمہیں سارا جہاں رہنے دیا

آج ہم اس بزرگ کی چارپائی کو کندھا دے رہے تھے جس نے ساری عمر داد وفادی، اشک غم پیئے اور چراغوں کی طرح جل کر دوسروں کو روشنی دی۔

اشک غم پیتے رہے در دوفا دیتے رہے　　　ہم چراغوں کی طرح جل کر ضیاء دیتے رہے

ہمیشہ کی طرح آج بھی جی یوں چاہتا تھا کہ چارپائی کو روک کر شاہ جی رحمہ اللہ سے وہ باتیں بھی کر لی جائیں جو آج تک نہ ہو سکی تھیں۔

وہ کچھ سنتا تو میں کہتا مجھے کچھ اور کہنا تھا　　　وہ پل بھر جو رک جاتا مجھے کچھ اور کہنا تھا

شاہ جی رحمہ اللہ خود بھی چاہا کرتے تھے کہ ان سے کھل کر باتیں ہوں، وہ ہر چاہنے والے کے دکھ کو سمجھتے تھے۔

میں تمہارے الم سمجھتا ہوں　　　میری سن لو مجھے سنا لو کچھ

جنازہ گاہ کے طور پر گورنمنٹ ہائی سکول کے وسیع گراؤنڈ کا انتخاب کیا گیا تھا، لوگوں کا ایک

جم غفیر تھا جو مخدومپور کی تاریخ میں کبھی دیکھا نہ گیا ہوگا، مقررین میں امیر خدام اہل سنت حضرت مولانا قاضی ظہور حسین اظہر، حضرت مولانا قاری خبیب احمد عمر، سپاہ صحابہ کے سالار مولانا محمد احمد لدھیانوی، دارالعلوم عیدگاہ کبیر والا کے مہتمم اور شیخ الحدیث حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب دامت برکاتہم کے علاوہ دیگر بہت سے علمائے کرام نے خطاب فرمایا۔ آخر میں وفاق المدارس پاکستان کے جنرل سیکرٹری حضرت مولانا قاری محمد حنیف صاحب نے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمات پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ وہ بزرگ ہے جس نے عقائد اہل سنت والجماعت اور علمائے حقہ، علمائے دیوبند کے مشرب ومسلک کو زندگی بھر اجاگر کیا، ایک صدی پر محیط یہ قربانیوں کی ایک چلتی پھرتی تصویر تھی، مزید فرمایا کہ سائنسدان، ڈاکٹر اور انجینئر وفات پاتے ہیں تو ان کی جگہ دوسرے لوگ آجاتے ہیں مگر شاہ صاحب جیسی بزرگ ہستیاں صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء کی نئی کھیپ اپنے اندر فکر وعمل کا دینی جذبہ پیدا کریں۔ فرمایا کہ اکثر جنازے ایسے ہوتے ہیں جن کی نماز جنازہ پڑھنے سے فوت ہونے والے کی بخشش ہوجاتی ہے جبکہ بعض جنازے ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی برکت سے نماز پڑھنے والوں کی بخشش ہوجاتی ہے، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ انہی خوش قسمت اور بابرکت حضرات میں سے ہیں۔ فرمایا کہ اس قصبہ میں بڑے بڑے زمینداروں اور سرداروں کے جنازے بھی اٹھے ہوں گے مگر جتنا جم غفیر اس فقیر کے جنازہ پر دیکھا جارہا ہے وہ کسی دوسرے جنازہ پر کہاں۔

منحصر رنگوں کی آتش پر نہیں ہے دلکشی میلے کپڑوں میں بھی تجھ کو دیکھنے آئیں گے لوگ

اب تک حضرت شاہ صاحب اپنے بچھڑے ہوئے ساتھیوں کو یاد کرکے رویا کرتے تھے مگر آج ان کی عید کا دن ہے، سب جانے والوں سے ملنے کا دن ہے، آج ان کے سب غم ختم ہوئے، ہاں البتہ ہم سب شاہ جی کی جدائی میں غمزدہ ہیں، شاید دنیا کا دستور یہی ہے۔

بشر بس غم سنانے کو دنیا میں آتا ہے دم آمد وہ روتا ہے دم رخصت رلاتا ہے

اور اب مخدومپور سے قافلے واپس جارہے ہیں، جاتے جاتے جب قصبہ کے پرانے مکانوں، خستہ راستوں اور گلی کوچوں پر نظر پڑی تو زبان حال سے یہ شعر نکلا

کہیں اجڑی اجڑی سی منزلیں کہیں ٹوٹے پھوٹے سے بام ودر
یہ وہی دیار ہے دوستو جہاں لوگ پھرتے تھے رات بھر

ہاں البتہ امید کی ایک کرن بلکہ روشن کرن کو دیکھ کر دل کو بہت سہارا ہوا اور امید بندھی کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے لخت جگر اور نور نظر اپنے والد ماجد کی طرح مہمان نواز، قدر دان اور علمائے کرام پر جاں نثار ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو صحیح اور سچا جانشین بنائے، آمین۔

اگلے ہفتے یعنی ۲۰ اور ۲۱ نومبر کو تعلیم الاسلام جہلم کا سالانہ جلسہ تھا، رات کو ۵ بجے ٹرین سے اترا تو صاحبزادہ حضرت مولانا محمد معاویہ امجد زید مجدہم کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا، بہت ہی نیازمندی سے بغلگیر ہوئے، لپک کر میرا تھیلا اٹھالیا منع کرنے کے باوجود اپنی ضد پوری کی، دل سے دعائیں نکلیں، مدرسہ تک پیدل ہی چلے، راستہ میں بتلایا کہ تین روز کے بعد حضرت والد صاحب کی قبر مبارک سے خوشبو کے جھونکے آرہے ہیں، اس نظارہ کو دیکھنے کیلئے لوگ جوق در جوق حاضر ہورہے ہیں۔ یہ سب اللہ پاک کی رحمتیں ہیں، وہ اپنے مقبول بندوں کو ایسی ہی مقبولیت سے نوازتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان مقبول ہستیوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے، آمین۔

حضرت صاحبزادہ صاحب نے جس طویل عرصہ تک حضرت والد گرامی قدر کی خدمت کی ہے اور وہ ان سے خوش گئے ہیں امید ہے مخدوم پورہوڑاں کا یہ شجر اسی طرح تروتازہ رہے گا۔

مت کہو قسمت ہے اپنی بے دلی ناگفتنی — پھر سحر ہوگی درختاں پھر بھلے آئیں گے لوگ

خیر المدارس ملتان کے استاذ حدیث اور ولی کامل حضرت مولانا محمد عابد صاحب دامت فیوضہم نے اپنی دستار مبارک صاحبزادہ حضرت مولانا محمد معاویہ امجد کے قابل قدر سر پر دستار بندی کیلئے روانہ فرمائی جسے جنازہ گاہ میں موجود اہل اللہ نے اپنے دست مبارک سے ان کو مشرف فرمایا، اللہ تعالیٰ مزید برکات سے نوازے اور استقامت نصیب ہو۔

میں مطمئن ہوں گر چہ خراب ہے ماحول — خزاں کے بعد کا عالم بہار ہوتا ہے

ہاں! آخر میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی وہ الوداعی ادا یاد آگئی جو وہ ہر مجلس کے اختتام پر پوری کیا کرتے تھے، حضرت کی تاریخی باتیں سن کر ایمان تازہ ہونے کی خوشی میں حضرت کا شکریہ ادا کرنے کیلئے ہم لوگ الفاظ تلاش کر رہے ہوتے تھے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ اپنی جیب سے سو، سو روپے کے نوٹ نکال کر ہر آنے والے عالم دین کو عنایت فرمایا کرتے تھے، بقول عدم ہماری یہ حالت ہوتی تھی۔

میں لفظ ڈھونڈ ڈھونڈ کے تھک بھی گیا عدم — وہ پھول دے کے بات کا اظہار کر گیا

امداد المسائل فی الاحکام والمسائل   فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبد الشکور ترمذی قدس سرہ

الاستفتاء

قربانی کے جانور میں عمر اور دانتوں کی شرعی حیثیت

سوال: ہمارے علاقے میں ایک مسئلہ کی وجہ سے تنازعہ پیدا ہوگیا ہے، کئی علماء سے رابطہ کیا لیکن کسی نے تسلی بخش جواب نہیں دیا، احباب کے مشورے سے آپ سے استفتاء حاصل کرنا طے ہوا۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے دیہاتی علاقے میں عام طور پر مشہور تھا کہ جانور کی قربانی جائز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوندا ہو، یعنی سامنے کے دو دانت نکلے ہوں، اور اگر کسی جانور کی عمر پوری ہو (جو فقہاء نے بیان فرمائی ہے، مثلاً بکرا بکری وغیرہ میں ایک سال اور گائے، بھینس وغیرہ میں دو سال اور اونٹ میں پانچ سال) لیکن وہ جانور دوندا نہ ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں۔ ہم نے لوگوں میں تبلیغ کی کہ اگر کسی جانور کی عمر پوری ہو جائے لیکن وہ دوندا نہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے، کیونکہ عمر پوری ہونا شرط ہے، دوندا ہونا شرط نہیں، مگر ہمارے علاقے میں بعض غیر مقلد حضرات کہتے ہیں کہ حدیث میں مسن اور ثنی کا لفظ آیا ہے، ثنی ثنایا سے ہے اور ثنایا کے معنٰی سامنے کے دو دانت ہیں، لغات اور اشعۃ اللمعات میں بھی یہی ہے کہ ثنی وہ جانور ہے جس کے سامنے کے دانت گر گئے ہوں۔ آپ اس سلسلہ میں مدلل جواب سے مستفید فرمائیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: قربانی کے جانوروں میں حکم کا مدار عمرِ خاص پر ہے، مگر چونکہ اس عمر خاص میں اکثر دانت بھی نکل آتے ہیں اس لئے اکثر اہل سنت نے طلوع سے تفسیر کر دی ہے، اور بعض اہل لغت نے فقہاء کی اختیار کردہ تفسیر کو بھی ذکر کیا ہے اور عمرِ خاص سے تفسیر کی ہے۔ جیسا کہ فقہاء نے عمرِ خاص کا اعتبار کیا ہے، چنانچہ مجمع البحار میں "ثنیہ" کی تفسیر دانتوں کے بجائے عمرِ خاص سے ہی کی گئی ہے (مجمع البحار ج ۱ ص ۱۶۶) اور اسی مجمع البحار میں "ثنیہ من المعز" کی تفسیر میں لکھا ہے "وعند احمد من المعز فی الثامنۃ" (ج ۱ ص ۱۶۶) اور (ج ۱ ص ۱۸۱) پر "جذع من الضأن" کی تفسیر میں ہے "ومن الضأن ما تمت لہ سنۃ وقیل اقل منھا" اسی طرح مختار الصحاح میں ہے "وقیل فی ولد

المنعجة انه یجذع فی ستة اوتسعة اشہر" (ص۱۱۲)اور یہ بعینہٖ وہی تفسیر ہے جس کوفقہاء حنفیہ نے اختیار فرمایا ہے۔ان حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اہل لغت نے بھی یہ تفسیریں کی ہیں جن کوفقہاءِ حنفیہ نے اختیار کیا ہے۔اب رہا یہ شبہ کہ بعض عبارات کتب لغت سے ان عمروں سے زیادہ کا ثبوت ملتا ہے جن خاص عمروں کا فقہاءِ حنفیہ نے اعتبار کیا ہے تو اس کا حل یہ ہے کہ فقہاءِ حنفیہ نے جن عمروں پر مدارِ حکم رکھا ہے اور ثنی و جذع کی تفسیر جس خاص عمر سے کی ہے اس کا اعتبار کر کے ثنی اور جذع کے ہر فرد پر حکم کا اطلاق ہوجاتا ہے۔اور جس جس فرد پر ثنی اور جذع کا اطلاق لغۃً ہوتا ہے۔ اطلاق حدیث سے وہ حکم سب افراد کو شامل ہوجاتا ہے،اور اگر زیادہ عمروں سے تفسیر کا اعتبار کیا جائے تو چھوٹی عمروں والے اس حکم سے خارج ہوجائیں گے۔حالانکہ باطلاق حدیث وہ بھی لغۃً ثنی و جذع کہلانے کی وجہ داخل ہیں۔بہرحال دانتوں کے نکلنے پر مدارِ حکم نہیں ہے،لیکن چونکہ اکثر ان عمروں میں دانتوں کے نکلنے کی عادت ہے،اس لئے دانتوں کا ذکر بھی کردیا جاتا ہے،درحقیقت مدارِ حکم خاص خاص عمروں پر ہے،دانت نکلے ہوں یا نہ نکلے ہوں۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عبارت زکوۃ غنم میں ''ودر چہل گاہ مسن است کہ دو سال تمام کردہ در سال سوم درآمدہ است''(اشعۃ اللمعات ج۲ص۱۹)

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے نزدیک مسن کی تفسیر عمر خاص یعنی دو سال کے استکمال سے ہی معتبر ہے۔اور''لاتذبحوا الا مسنة ''کی شرح میں حضرت شیخ رحمہ اللہ نے مسنہ اور ثنی کے اتحاد کا دعویٰ فرمایا ہے۔جس سے ثابت ہوا کہ ثنی کی تفسیر بھی استکمال سنتین سے معتبر ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں''وجائز است از جمیع ایں اقسام ثنی ہاثنائے مثلثہ وہمیں مراد است بمسنہ کہ در حدیث مذکورہ است واں از ابل آنچہ تمام کردہ پنج سال کامل واد پا نھادہ در ششم ،واز بقرہ آنچہ استکمال کردہ دو سال راواز غنم خواہ ضان باشد یا معز یک سالہ بکذا فی الہدایہ''(اشعۃ اللمعات ج۱ص۶۰۸)

مقصد یہ ہے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ عمر خاص کے ساتھ تعریف میں صاحب ہدایہ وغیرہ تمام فقہاء کے ساتھ متفق ہیں۔اور جس عبارت کا حوالہ سوال میں دیا گیا ہے،مسنہ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے حضرت شیخ رحمہ اللہ نے فرمائی ہے،اس کا مطلب یہی ہے کہ اس عمر میں اکثر دانت نکل آتے ہیں۔حضرت شیخ رحمہ اللہ کی عبارت یہ ہے کہ''وجہ تسمیۃ بمسنۃ آنست کہ وی می اندازد دندان پیش را کہ

آ نزا ثنایا کویند دریں عمر" (اشعۃ اللمعات ج۱ ۶۰۸) "دریں عمر" کالفظ صاف بتلا رہا ہے کہ عمر خاص کا اعتبار کیا جاتا ہے، ورنہ شیخ رحمہ اللہ کی تصریحات کے خلاف ہوگا۔ چنانچہ "الجذع یوفی مما یوفی منه الثنی" کی شرح میں حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ ثنی ایک سالہ بکری کو کہتے ہیں، فرماتے ہیں "ثنی از معز یک سالہ کویند" (اشعۃ ج ۱ ص ۶۱۲)

جب اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ قربانی کے جانوروں کی عمروں کی تعیین اور فقہاء کرام کے ثنی اور مسنہ کے بیان کردہ معنیٰ کتب لغت سے ثابت ہیں، تو اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حدیث کے کئی الفاظ سے عمر کا تعین کیا گیا ہے کہ وہ حدیث کے الفاظ مسنہ اور ثنی ہی ہیں۔

حسب تصریح لغت ان کے معانی تعیین عمر کے ساتھ بھی آئے ہیں، جیسا کہ گذرا، اس لئے تعیین عمر کے ساتھ ان الفاظِ حدیث کے معانی کو خلاف لغت سمجھنا اور ان کے لغوی معانی دانتوں کے نکلنے کے ساتھ خاص سمجھنا درست نہیں ہے۔ مدارِ حکم اگر کسی خاص دانت پر رکھا جائے تو اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ بالفرض اگر کسی جانور کے کسی عارضہ کی وجہ سے یہ خاص دانت بہت زیادہ عمر کے باوجود بھی نہ نکلیں تو کیا اس کی قربانی کو اس لئے ناجائز قرار دیا جائے گا کہ اس کے وہ دانت نہیں ہے۔ اور اگر کسی عمر تک پہونچنے کے بعد بغیر ان خاص دانتوں کے نکلے بھی اس جانور کی قربانی دے دی جائے گی تو پھر ان خاص دانتوں پر مدارِ حکم نہ رہا، بلکہ عمر خاص پر مدار ہوگیا ہٰذا ما سنح لی الاٰن۔ واللہ اعلم

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ
مہتمم مدرسہ عربیہ حقانیہ
۲۲ ذی القعدہ ۱۳۹۷ھ

تعارف وتبصرہ

نام کتاب: مقالات ومضامین وسوانح حضرت مولانا شمس الحق رحمہ اللہ جمع وترتیب: مولانا محمد حنیف خالد، حافظ سید محمد اکبر شاہ بخاری ناشر: ادارۃ المعارف کراچی صفحات: ۳۱۰ قیمت: درج نہیں ہے

زیر تبصرہ کتاب کا موضوع، اس کی اہمیت وافادیت تو نام سے ہی واضح ہے کیونکہ بمصداق کلام الملوك ملوك الکلام ایسی عظیم المرتبت ہستی کے مقالات ومضامین، دروس حدیث وغیرہ میں جو فکر عمل واصلاح اور علمی نکات مضمر ہیں وہ کسی ذی شعور سے مخفی نہیں۔

یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے پہلا حصہ مولانا شمس الحق رحمہ اللہ کے علمی واصلاحی مقالات، دروس حدیث اور خطابات کا حسین مرقع ہے، دوسرا حصہ حضرت مفتی محمد شفیع، حضرت مولانا سحبان محمود، حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی البرنی، حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ کی یاد اور تذکار پر مشتمل ہے جبکہ تیسرے حصہ میں حضرت کے مختصر سوانحی خاکہ اور بعض اہل قلم کے مضامین وتاثرات سے مزین ہے۔ کتاب ظاہری وباطنی خوبیوں سے موشح ہے، اور عوام وخواص کیلئے یکساں مفید ہے، امید ہے اہل ذوق اس سے بھرپور استفادہ کریں گے۔

نام کتاب: ذکر جلیل مرتب: مولانا وکیل احمد شیروانی ناشر: مجلس صیانۃ المسلمین جامعہ اشرفیہ لاہور صفحات: ۱۱۶ قیمت: چھ روپیہ کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر حاصل کی جاسکتی ہے۔

یہ کتاب خانقاہ اشرفی کے درخشندہ ستارے، بزم اشرف کے دمکتے چراغ اور حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے مجاز ومعتمد خاص حضرت مولانا جلیل احمد شیروانی قدس سرہ کی مختصر سوانح ہے جس میں ان کے حالات وواقعات کے علاوہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ان کے نام چند مکتوبات شریفہ، اور حضرت شیروانی اور ان کی اہلیہ کی حضرت تھانوی سے اصلاحی خط وکتابت کی جھلک بھی شامل ہے۔

نیز حضرت شیروانی رحمہ اللہ کے چند فتاویٰ بھی شامل اشاعت ہیں جو مفتی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے معتمد خاص مفتی عبدالکریم گمتھلوی قدس سرہ کے مصحح ومصدقہ ہیں، اور بعض مقامات پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے پوتے، حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ کے بیٹے حضرت مفتی سید عبدالقدوس ترمذی دامت برکاتہم کا مفید حاشیہ بھی ہے۔

مکمل فہرست مضامین یک سالہ فائل ۱۴۲۸ھ ۲۰۰۷ء

محرم الحرام

صفر المظفر

ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ

جمادی الثانیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ساقی کوثر ﷺ

ڈھونڈ کر لائے کوئی ساقی کوثر کی مثال
سارے عالم میں نہیں ایسے پیمبر کی مثال

پیکر حسن سہی چاند کا مکھڑا لیکن
اس میں یہ تاب نہیں ہو رخ انور کی مثال

حسن یکتا سے بنایا ہے حسیں رب نے اسے
سارا عالم نہیں اس حسن کے پیکر کی مثال

عرش و کرسی میں نہیں کون و مکان میں بھی نہیں
میرے آقا میرے مولیٰ میرے دلبر کی مثال

تابناکی رخ و رخسار کی ہے رشک قمر
مشک و عنبر میں نہیں زلفِ معطر کی مثال

جس نے رو رو کے ہدایت کی دعائیں کی ہوں
کوئی دکھلائے تو ایسے کسی رہبر کی مثال

عارفؔ آیا ہے ترے در پہ معافی کیلئے
در کوئی اور نہیں شاہ میرے در کی مثال

مفتی محمد عبداللہ مدرس جامعہ حقانیہ

اخبار الجامعہ

۱۲رشوال:صدر جامعہ نے اپنی بیٹی کے حفظ قرآن کریم کی تکمیل میں منعقدہ تقریب سے خطاب کیا۔

۱۴رشوال:صدر جامعہ نے جامع مسجد نور سرگودھا میں افتتاح بخاری شریف کے موقع پر خصوصی خطاب فرمایا، نیز جامعہ حقانیہ میں درجہ کتب کی تعلیم کا افتتاح ہوا۔

۱۵رشوال:صدر جامعہ نے بمقام ڈھکواں افتتاح مشکوۃ و بخاری شریف کے موقع پر خطاب فرمایا، نیز جامعہ حقانیہ میں باقاعدہ اسباق شروع ہوئے۔

۱۶رشوال:صدر جامعہ نے مدرسہ اسلامیہ محمودیہ سرگودھا میں افتتاح مشکوۃ اور جامعہ نعمانیہ بھاگٹانوالہ میں افتتاح بخاری شریف کرایا۔

۱۷رشوال:صدر جامعہ نے مدرسہ ختم نبوت سلانوالی میں افتتاح مشکوۃ شریف کے موقع پر بیان فرمایا۔

۱۹رشوال:مدرسہ حفصہ للبنات دینار شاخ جامعہ حقانیہ میں اسباق کا آغاز ہوا۔

۲۱رشوال:صدر جامعہ نے گلشن جمال سرگودھا میں افتتاح بخاری شریف پر خصوصی خطاب فرمایا۔

۲۲رشوال:جامعہ حقانیہ ساہیوال میں صدر جامعہ کے بیٹے حافظ سید عبدالقدیر ترمذی سلمہ کے تکمیل حفظ قرآن اور افتتاح بخاری شریف کے موقع پر مولانا مشرف علی تھانوی اور مولانا ڈاکٹر محمد سعد صدیقی کا خصوصی خطاب ہوا۔

۲۴رشوال:صدر جامعہ نے پٹن وال میں بعد مغرب جلسہ عام سے خطاب کیا۔

۲۵رشوال:درجہ تخصص فی الفقہ کی تعلیم کا آغاز ہوا، نیز صدر جامعہ نے مدرسہ فتحیہ امدادیہ سلانوالی میں افتتاح بخاری شریف کے موقع پر خصوصی خطاب فرمایا اور مدرسۃ البنات مسجد عمر میں بخاری شریف کا افتتاح کرایا۔

۲۹رشوال:محلہ مصطفیٰ آباد مدرسہ عائشہ میں درجہ کتب کی تعلیم کے افتتاح پر صدر جامعہ کا خصوصی بیان ہوا۔

۵رذوالقعدہ:صدر جامعہ نے دلے والا ضلع بھکر جمعہ سے قبل خطاب کیا۔

۶رذوالقعدہ:صدر جامعہ نے مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ مبارے خاں میں مشکوۃ شریف کے افتتاح پر بیان فرمایا۔

۱۰رذوالقعدہ:صدر جامعہ نے مدرسہ تعلیم القرآن حقانیہ روڈو سلطان کے جلسہ میں شرکت کیلئے سفر کیا اور فریقین میں چھ سال سے قائم نزاع کا فیصلہ کرایا۔

۱۲رذوالقعدہ:جامع مسجد شاہ نکڈر کے جلسہ میں صدر جامعہ کا خطاب ہوا۔